اسلام کیا ہے

مولانا وحید الدّین خاں

اسلام کیا ہے

مولانا وحید الدّین خاں

Islam Kiya Hai?
By Maulana Wahiduddin Khan

First published 1997
Reprinted 2013
This book is copyright free.

Goodword Books
1, Nizamuddin West Market, New Delhi-110 013
Mob. +91-8588822672
Tel. 9111-4182-7083, 4652-1511
email: info@goodwordbooks.com
www.goodwordbooks.com

Printed in India

اپریل ۱۹۹۷، شمارہ ۲۴۵

خدا ۵
فرشتہ ۶
پیغمبر ۷
قرآن ۸
اسلام ۹
ایمان ۱۰
امتحان ۱۱
نیت ۱۲
آخرت ۱۳
روحانیت ۱۴
تقویٰ ۱۵
شکر ۱۶
ذکر ۱۷
نماز ۱۸
روزہ ۱۹
زکاۃ ۲۰
حج ۲۱
اخلاق ۲۲
صبر ۲۳
سچ بولنا ۲۴
وعدہ ۲۵
صفائی ۲۶
رواداری ۲۷
اعراض ۲۸
اختلاف کے وقت ۲۹
پڑوسی ۳۰
حقوق العباد ۳۱
تصورِ انسان ۳۲
خدمتِ خلق ۳۳
مساوات ۳۴
انسانی برادری ۳۵
تعصب نہیں ۳۶
امن پسندی ۳۷
خداپرستانہ زندگی ۳۸
صبح وشام ۳۹
عبرت پذیری ۴۰
گھریلو زندگی ۴۱
عزتِ نفس ۴۲
سادگی ۴۳
خدائی طریقہ ۴۴
مال ۴۵
کھونا، پانا ۴۶
نجات ۴۷
جہاد ۴۸
خدا کو پکارنا ۴۹
دعائیں ۵۰

خدا

خدا ایک ہے۔ خدا ایک ازلی و ابدی حقیقت ہے۔ وہ سب کچھ ہے۔ ہر چیز خدا سے ہے، خدا کسی چیز سے نہیں۔ خدا ہر چیز کا خالق بھی ہے اور وہی تمام عالم کا انتظام کرنے والا ہے۔

خدا، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ زندہ ہے، سب کا تھامنے والا۔ اس کو نہ اونگھ آتی اور نہ نیند آتی۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ کون ہے جو اس کے پاس اس کی اجازت کے بغیر سفارش کرے۔ وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے پیچھے ہے۔ اور وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جو وہ چاہے۔ اسی کی حکومت آسمانوں اور زمین پر چھائی ہوئی ہے۔ وہ تھکتا نہیں ان کے تھامنے سے۔ اور وہی ہے بلند مرتبہ والا۔ (البقرہ)

قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ: کہو کہ وہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد، اور کوئی اس کے برابر کا نہیں (الاخلاص)

قرآن کی یہ سورہ (الاخلاص) توحید الہٰی کی سورہ ہے وہ نہ صرف یہ بتاتی ہے کہ خدا ایک ہے بلکہ اس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ خدا کے ایک ہونے کا مطلب کیا ہے۔ اس سورہ میں خدا کے تصور کو ان تمام آمیزشوں سے الگ کر کے پیش کیا گیا ہے جس میں ہر زمانہ کا انسان مبتلا رہا ہے، خدا کئی نہیں، خدا صرف ایک ہے سب اس کے محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں، وہ بذات خود ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ اس سے بلند ہے کہ انسانوں کی طرح وہ کسی کی اولاد ہو یا اس کی کوئی اولاد ہو۔ وہ ایسی یکتا ذات ہے جس کا کسی بھی اعتبار سے کوئی مثل اور برابر نہیں۔ ہر قسم کی یکتائی صرف ایک ہستی کے لیے ہے اور وہ ہستی صرف خداوند ذوالجلال کی ہے۔ ایک خدا کا تصور اسلام کا مرکزی تصور ہے۔ یہی عقیدہ اسلام کا اصل سرا ہے اور یہی اسلام کی تمام تعلیمات کا واحد سرچشمہ۔

فرشتہ

خدا کی پیدا کی ہوئی بہت سی مخلوقات میں سے ایک مخلوق وہ ہے جس کو فرشتہ کہا جاتا ہے۔ فرشتوں کو خدا نے خصوصی صلاحیت اور خاص اختیارات دیے ہیں۔ وہ کائنات میں بڑے بڑے تصرفات کرسکتے ہیں۔ مگر ان کا سارا عمل خدا کی مکمل تابعداری میں ہوتا ہے۔ وہ ادنی درجہ میں بھی خدا سے انحراف نہیں کرتے۔

کائنات میں ہر لمحہ بے شمار واقعات ہورہے ہیں۔ مثلاً ستاروں کی گردش، سورج اور چاند کا چمکنا، زمین کا گردش کرنا۔ اسی طرح بارش، موسم اور دوسری بہت سی تبدیلیوں کا پیش آنا۔ انسان اور حیوان کی نسل کا زمین پر مسلسل باقی رہنا، اس طرح کے بے شمار واقعات جو ہر وقت دنیا میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں، ان سب کا انتظام یہی فرشتے کرتے ہیں۔ وہ خدا کی کائنات میں خدا کے انتہائی وفادار اور فرماں بردار کارندے ہیں۔

انسان فرشتوں کو نہیں دیکھتا۔ مگر فرشتے انسانوں کو دیکھتے ہیں۔ وہ خدا کی طرف سے انسان کی نگرانی کرتے رہتے ہیں۔ یہی فرشتے انسان پر موت بھی واقع کرتے ہیں اور اس کی روح کو یہاں سے لے جاتے ہیں۔

فرشتے موجودہ دنیا کا انتظام بھی کرتے ہیں اور فرشتے ہی آخرت میں جنّت اور دوزخ کا انتظام بھی کرنے والے ہیں۔ یہ فرشتے اَن گنت تعداد میں ہیں۔

فرشتوں کے معاملہ کو ایک بڑے کارخانے کی مثال سے سمجھا جاسکتا ہے۔ کسی بڑے کارخانے میں ایک طرف بہت سی بڑی بڑی اور پیچیدہ مشینیں ہوتی ہیں۔ انھیں مشینوں سے وہ پیداوار نکلتی ہے جس کے لیے کارخانہ قائم کیا گیا ہے۔ مگر یہ مشینیں اپنے آپ نہیں چلتیں۔ ان کو چلانے کے لیے بہت سے انسانی کارکن درکار ہوتے ہیں۔ چنانچہ ہر کارخانہ میں بڑی تعداد میں انسانی کارکن سرگرم رہتے ہیں تاکہ وہ کارخانہ کو اس کے مطلوب انداز پر چلاتے رہیں۔ اسی طرح کائنات کے عظیم کارخانہ میں بے شمار فرشتے اس کو چلانے کے لیے مامور ہیں۔ دونوں کارخانوں میں صرف یہ فرق ہے کہ عام کارخانوں کے انسانی کارکن دکھائی دیتے ہیں، جبکہ کائناتی کارخانہ میں کام کرنے والے فرشتے ظاہری آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتے۔

پیغمبر

پیغمبر وہ انسان ہے جس کو خدا اپنی نمائندگی کے لیے چن لے۔ خدا جب ایک انسان کو اپنا پیغمبر بناتا ہے تو خدا کا فرشتہ اس کے پاس آکر اس کو اس انتخاب کی خبر دیتا ہے۔ اس طرح اس کو یہ یقین ہو جاتا ہے کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں۔ اس کے بعد فرشتہ کے ذریعہ خدا اس پر اپنی تعلیمات اتارتا ہے تاکہ وہ ان تعلیمات سے تمام انسانوں کو باخبر کر دے۔ پیغمبر گویا خدا اور انسان کے درمیان ہوتا ہے۔ وہ خدا سے لے کر انسانوں تک پہنچاتا ہے۔

خدا نے انسان کو عقل دی۔ وہ اس کے ذریعہ ظاہری باتوں کو سمجھ سکتا ہے۔ مگر بہت سی باتیں وہ ہیں جن کو جاننے اور سمجھنے کے لیے صرف ظاہری علم کافی نہیں۔ خود موجودہ دنیا کے بارہ میں زیادہ گہری حقیقتیں انسان کی عقلی گرفت میں نہیں آتیں۔ اور جہاں تک خدا اور عالم آخرت کا معاملہ ہے وہ مکمل طور پر نہ دکھائی دینے والی دنیا سے تعلق رکھتا ہے۔ اس بنا پر وہ انسان کے عقلی ادراک سے باہر ہے۔

پیغمبر یہ کرتا ہے کہ وہ انسان کی اس کمی کو پورا کرتا ہے۔ وہ اشیاء کی حقیقت کو بتاتا ہے۔ وہ آخرت کی دنیا کی خبر دیتا ہے۔ اس طرح وہ انسان کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ علم و شعور کی پوری روشنی میں اپنی زندگی کا نقشہ بنائے اور اس کے مطابق کامیاب زندگی کی تعمیر کرے۔

انسان جب سے دنیا میں آباد ہوا اسی وقت سے پیغمبر بھی آنا شروع ہو گئے۔ وہ ہر زمانہ میں انسان کو خدا کی باتیں بتاتے رہے تاہم قدیم زمانہ میں آنے والے پیغمبروں کا مستند ریکارڈ باقی نہیں رہا۔ بعد کے حالات نے ان کی شخصیت کو بھی غیر تاریخی بنا دیا اور ان کی کتابوں کو بھی تاریخی طور پر غیر مستند۔

آخر میں خدا نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا پیغمبر بنایا۔ آپ اس وقت پیدا ہوئے جبکہ دنیا میں دورِ تاریخ آچکا تھا۔ اسی کے ساتھ جلد ہی بعد وہ دور شروع ہونے والا تھا جس کو پریس کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ اس طرح آپؐ کو وہ موافق اسباب ملے جنھوں نے آپ کو ایک مسلمہ شخصیت بنا دیا۔ اس طرح آپ کی لائی ہوئی کتاب محفوظ رہ کر پریس کے دور میں داخل ہو گئی۔ اس کے بعد یہ امکان ہی ختم ہو گیا کہ آپ کی لائی ہوئی کتاب میں کوئی تبدیلی کی جا سکے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے آخری رسول ہیں اور قیامت تک دنیا میں خدا کے واحد نمائندہ۔

قرآن

قرآن خدا کی کتاب ہے۔ قرآن میں جو تعلیمات ہیں وہ اصلاً وہی ہیں جو پچھلی آسمانی کتابوں میں اتاری گئی تھیں۔ مگر پچھلی آسمانی کتابیں اپنی ابتدائی صورت میں محفوظ نہیں رہیں۔ بعد کی تبدیلیوں نے ان کو غیر معتبر بنا دیا۔ جب کہ قرآن اپنی اصل صورت میں پوری طرح محفوظ ہے۔ اس لیے وہ کامل طور پر ایک قابل اعتبار کتاب ہے۔

قرآن میں ۱۱۴ سورتیں ہیں۔ ان میں جو باتیں کہی گئی ہیں، ان کا خلاصہ یہ ہے کہ آدمی ایک خدا کو مانے۔ وہ اسی کے آگے اپنے آپ کو جواب دہ سمجھے۔ وہ یقین کرے کہ پیغمبر آخر الزماں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ جو باتیں خدا نے بتائی ہیں وہ سب صحیح ہیں اور ان کو ماننے ہی پر انسان کی ابدی نجات کا دار و مدار ہے۔

قرآن کی حیثیت صرف یہ نہیں ہے کہ وہ بہت سی آسمانی کتابوں میں سے ایک کتاب ہے۔ بلکہ اس کی اصل حیثیت یہ ہے کہ وہ بہت سی آسمانی کتابوں کے درمیان واحد قابل اعتبار کتاب ہے۔ کیوں کہ دوسری تمام کتابیں تبدیلیوں کے نتیجہ میں تاریخی طور پر غیر معتبر ثابت ہو چکی ہیں۔ پچھلی آسمانی کتابوں کو ماننے والا کوئی شخص جب قرآن کو مانتا ہے تو وہ اپنے عقیدہ کو رد نہیں کرتا۔ بلکہ خود اپنے عقیدہ کو زیادہ مستند صورت میں از سر نو پا لیتا ہے۔

قرآن سب کے خدا کی طرف سے سب کی طرف بھیجی ہوئی مقدس کتاب ہے۔ وہ ہر انسان کی اپنی کتاب ہے، کیوں کہ اس کو اس خدا نے بھیجا ہے جو ہر انسان کا اپنا خدا ہے نہ کہ کسی غیر کا خدا۔

قرآن کوئی نئی آسمانی کتاب نہیں وہ پچھلی آسمانی کتابوں کا اگلا مستند ایڈیشن ہے اس اعتبار سے گویا قرآن تمام انسانوں اور تمام قوموں کی کتاب ہے وہ ہر ایک کے لیے خدا کی رحمت کا ظہور ہے، وہ ہر ایک کی طرف بھیجا ہوا خدا کا کامل پیغام ہے قرآن اسی طرح تمام دنیا کے لیے ہدایت کی روشنی ہے جس طرح سورج تمام دنیا کے لیے روشنی اور حرارت کا ذریعہ۔

اسلام

اسلام کے معنی اطاعت کے ہیں۔ مذہبِ اسلام کا نام اسلام اس لیے رکھا گیا کہ اس کی بنیاد خدا کی اطاعت پر ہے۔ اسلام والا وہ ہے جو اپنی سوچ کو خدا کے تابع کر لے، جو اپنے معاملات کو خدا کی تابع داری میں چلانے لگے۔

اسلام پوری کائنات کا دین ہے۔ کیوں کہ ساری کائنات اور اس کے تمام اجزاء خدا کے مقرر کیے ہوئے قانون کی ماتحتی میں چل رہے ہیں۔

یہی کائناتی رویہ انسان سے بھی مطلوب ہے۔ انسان کو بھی اسی طرح خدا کا فرماں بردار بن کر اپنی زندگی بسر کرنا ہے جس طرح بقیہ کائنات مکمل طور پر خدا کی فرماں بردار بنی ہوئی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ کائنات مجبورانہ طور پر خدا کی پابندی کر رہی ہے اور انسان سے یہ مطلوب ہے کہ وہ آزادانہ طور پر اپنے آپ کو خدا کے حکموں کا پابند بنا لے۔

آدمی جب اسلام کو اختیار کرتا ہے تو سب سے پہلے اس کی سوچ اسلام کے تحت آتی ہے۔ اس کے بعد اس کی خواہش، اس کے جذبات، اس کی دل چسپیاں، اس کے تعلقات، اس کی محبت و نفرت، سب خدا کی اطاعت کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں۔

پھر آدمی کی روزمرہ کی زندگی خدا کی ماتحتی میں آنے لگتی ہے۔ لوگوں کے ساتھ اس کا سلوک اور اس کا لین دین اسلام کے تقاضوں میں ڈھل جاتے ہیں۔ وہ اندر سے باہر تک ایک اطاعت شعار انسان بن جاتا ہے۔

انسان خدا کا بندہ ہے۔ انسان کے لیے درست طریقہ صرف یہ ہے کہ وہ دنیا میں خدا کا بندہ بن کر رہے۔ اسی بندگی والی روش کا دوسرا نام اسلام ہے۔ اسلامی زندگی خدا کی بندگی اور ماتحتی والی زندگی ہے۔ غیر اسلام یہ ہے کہ آدمی سرکش بن جائے اور خدا سے آزاد ہو کر زندگی گزارے۔ اس کے مقابلہ میں اسلام یہ ہے کہ آدمی اطاعت شعار ہو اور اپنے آپ کو خدا کی وفاداری اور ماتحتی میں دیتے ہوئے زندگی گزارے۔ یہی دوسرے لوگ خدا کی رحمتوں میں حصہ دار بنائے جائیں گے۔

ایمان

ایمان کی حقیقت معرفت ہے یعنی خدا کی دریافت۔ ایک انسان جب خدا کے وجود کو شعوری طور پر پالے اور خدائی حقیقتوں تک اس کی رسائی ہو جائے تو اسی کا نام ایمان ہے۔

یہ دریافت کوئی سادہ بات نہیں۔ خدا تمام چیزوں کا خالق اور مالک ہے۔ وہ انعام دینے والا ہے اور سزا دینے والا بھی۔ اس کی پکڑ سے کوئی بچا ہوا نہیں۔ ایسے ایک خدا کی دریافت آدمی کی پوری زندگی کو ہلا دیتی ہے۔ اس کی سوچ میں ایک انقلاب آجاتا ہے۔ اس کے تمام جذبات کا مرکز خدا بن جاتا ہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی پوری طرح خدا کا بندہ بن جاتا ہے۔ خدا ہی اس کی تمام توجہات کا مرکز بن جاتا ہے۔ اب وہ ایک ایسا انسان ہوتا ہے جس کا جینا بھی خدا کے لیے ہو اور مرنا بھی خدا کے لیے ہو۔

اس ایمان کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کے آداب و اخلاق سب خدا کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں۔ وہ بولتا ہے تو یہ سمجھ کر بولتا ہے کہ خدا اس کی آواز کو سن رہا ہے۔ وہ چلتا ہے تو اس طرح چلتا ہے کہ اس کی چال خدا کی پسند کے خلاف نہ ہو۔ وہ لوگوں سے معاملہ کرتا ہے تو اس کو یہ ڈر رہتا ہے کہ اگر میں نے کوئی برا معاملہ کیا تو خدا مجھے اس کی سزا دے گا۔

اس ایمان کا اثر یہ ہوتا ہے کہ آدمی کی پوری زندگی آخرت رخی بن جاتی ہے۔ وہ ہر معاملہ میں دنیا سے زیادہ آخرت کے پہلو کو اپنی نظر میں رکھتا ہے۔ وہ وقتی فائدے کے بجائے آخرت کے فائدے کو اپنی توجہ کا مرکز بنالیتا ہے۔ جب بھی کسی معاملہ میں دو پہلو ہوں، ایک دنیا کا پہلو اور دوسرا آخرت کا پہلو تو ہمیشہ وہ دنیا کے پہلو کو نظر انداز کرتے ہوئے آخرت کے پہلو کو لے لیتا ہے۔

یہ ایمان اس کے لیے خدا پر اتھاہ اعتماد کا سرچشمہ بن جاتا ہے۔ وہ ہر حال میں خدا پر بھروسہ کرتا ہے۔ ایمان اپنی حقیقت کے اعتبار سے خدائے برتر کی پہچان کا نام ہے۔ مگر جب یہ پہچان کسی کے دل و دماغ میں اترتی ہے تو وہ اس کی پوری شخصیت کو ایک نئی شخصیت بنا دیتی ہے۔ وہ ہر اعتبار سے ایک نیا انسان بن جاتا ہے۔

امتحان

موجودہ دنیا میں انسان آزاد ہے۔ خدا نے اس پر کسی قسم کی پابندی نہیں لگائی ہے۔ مگر یہ آزادی امتحان کے لیے ہے نہ کہ بے قید زندگی کے لیے۔ اس آزادی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آدمی جانور کی طرح بے قید زندگی گزارے اور پھر ایک دن مر جائے۔ بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ آدمی خود اپنے ارادہ کے تحت صحیح زندگی گزارے۔ وہ خود اپنے فیصلہ کے تحت اپنے آپ کو اعلیٰ اخلاقی اصولوں کا پابند بنالے۔

انسان کو اس انداز پر پیدا کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس کو تمام مخلوقات میں سب سے اشرف مخلوق ہونے کا کریڈٹ دیا جائے۔ اس کا شمار خدا کے ان خصوصی بندوں میں ہو جنھوں نے کسی ظاہری پابندی کے بغیر اپنے آپ کو بااصول انسان بنایا۔ جنھوں نے کسی خارجی جبر کے بغیر خود اپنے آزادانہ فیصلہ کے تحت وہ کیا جو انھیں حقیقت کی رو سے کرنا چاہیے تھا۔

اس دنیا میں جتنی چیزیں ہیں سب کی سب خدا کی محکوم ہیں۔ خلا کے ستارے اور سیارے کامل طور پر خدا کے حکم کے تحت گردش کرتے ہیں۔ درخت، دریا، پہاڑ اور اس قسم کی دوسری تمام چیزیں پیشگی طور پر خدا کے مقرر کیے ہوئے نقشہ پر قائم ہیں۔ اسی طرح عام حیوانات بھی وہی کرتے ہیں جو ان کی پیدائشی جبلت کے تحت ان کے لیے مقرر کر دیا گیا تھا۔ دنیا میں استثنائی طور پر صرف انسان ہی وہ مخلوق ہے جس کو اختیار اور آزادی کی نعمت عطا کی گئی ہے۔

اسی آزادی نے انسان کے اوپر دو مختلف قسم کے دروازے کھول دیے ہیں۔ اگر وہ آزادی پا کر گھمنڈ اور سرکشی اور بے قیدی میں مبتلا ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ آزمائش میں پورا نہیں اترا۔ اس کے بعد اس کے لیے وہی انجام مقدر ہے جو ان لوگوں کا ہوتا ہے جو کسی نازک آزمائش میں ناکام ہو گئے ہوں۔

دوسرے لوگ وہ ہیں جو اپنی ملی ہوئی آزادی کو صحیح دائرہ میں استعمال کریں۔ وہ مجبور نہ ہوتے ہوئے بھی اپنے آپ کو خدائی اصولوں کا پابند بنا لیں۔ یہ لوگ آزادی کی آزمائش میں کامیاب ہو گئے، ان کو خدا کی طرف سے وہ انعامات دیے جائیں گے جو کسی دوسری مخلوق کو نہ ملے ہوں۔ وہ خدا کے مقرب بندے قرار پائیں گے جو ابدی طور پر راحت اور آرام میں رہیں گے۔ ان کو وہ خوشیاں ملیں گی جو کبھی ختم نہ ہوں۔

نیت

اسلام میں سب سے زیادہ اہم چیز نیت ہے۔ کوئی عمل محض اپنے ظاہر کی بنا پر خدا کے یہاں قابل قبول نہیں ہوتا۔ خدا صرف اس عمل کو قبول کرتا ہے جس کو کرنے والے نے صحیح نیت سے کیا ہو۔ بری نیت کے ساتھ کیے ہوئے عمل کو خدا رد کر دیتا ہے۔

صحیح نیت یہ ہے کہ وہ کام خدا کے لیے کیا گیا ہو۔ اس کو کرنے سے خدا کی رضا مقصود ہو۔ آدمی جو کام کرے اس احساس کے ساتھ کرے کہ اس کا اجر اس کو خدا کے یہاں پانا ہے۔

اس کے برعکس بری نیت یہ ہے کہ آدمی بظاہر دین کا عمل کرے مگر وہ اس سے دنیا کا فائدہ لینا چاہتا ہو۔ وہ جو کام کرے اس لیے نہ کرے کہ لوگ اس کو دیکھ کر اس کی تعریف کریں گے۔ لوگوں کے درمیان اس کو شہرت اور مقبولیت حاصل ہوگی۔ وہ لوگوں کے درمیان عزت کا مقام حاصل کرے گا۔

نیت کا تعلق آدمی کی اندرونی سوچ یا اندرونی کیفیات سے ہے۔ عام لوگ کسی انسان کے اندر کی سوچ یا اندر کی کیفیات کو نہیں جان سکتے۔ مگر خدا کو ہر انسان کے اندر کا حال پوری طرح معلوم ہے۔ وہ جانتا ہے آدمی کے دماغ میں کیا ہے اور اس کے اندر کس قسم کے جذبات ہیں۔ کسی کے عمل کے بارہ میں عام لوگ غلط فہمی میں پڑ سکتے ہیں۔ مگر خدا کو ہر بات کا پورا علم حاصل ہے۔ وہ اپنے علم کے مطابق ہر ایک سے معاملہ کرے گا۔ اور ہر ایک کو وہی بدلہ دے گا جس کا وہ فی الواقع مستحق ہے۔

نیت کی حیثیت حقیقت اور معنویت کی ہے۔ جو چیز اپنی اصل حقیقت یا اپنی اصل معنویت کو کھو دے وہ چیز بے کار ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جو عمل بری نیت یا ناقص نیت کے ساتھ کیا جائے وہ بے قیمت ہے۔ اس کی کوئی اہمیت نہ انسانوں کی نظر میں ہو سکتی ہے اور نہ خدا کی نظر میں۔

کسی چیز کی قیمت اس وقت ہے جب کہ وہ خالص ہو اس میں کسی اور چیز کی ملاوٹ نہ ہو صحیح نیت کے ساتھ کیا ہوا عمل خالص عمل ہے صحیح نیت کے بغیر کیا ہوا عمل غیر خالص عمل۔

آخرت

انسان ایک ابدی مخلوق ہے۔ تاہم اس کی عمر کو خدا نے دو حصوں میں بانٹ دیا ہے۔ اس کی عمر کا بہت چھوٹا سا حصہ موجودہ دنیا میں رکھ دیا ہے، اور اس کا بقیہ تمام حصہ موت کے بعد آنے والی آخرت میں۔ موجودہ دنیا عمل کی جگہ ہے، اور آخرت کی دنیا عمل کا انجام پانے کی جگہ۔

موجودہ دنیا ناقص ہے اور آخرت کی دنیا ہر اعتبار سے کامل۔ آخرت ایک لامحدود دنیا ہے۔ وہاں تمام چیزیں اپنی معیاری حالت میں مہیا کی گئی ہیں۔

خدا نے اپنی جنت کو اسی آخرت کی دنیا میں رکھا ہے۔ جنت ہر قسم کی نعمتوں سے بھری ہوئی ہے۔ موجودہ دنیا میں جو لوگ نیکی اور خدا پرستی کا ثبوت دیں گے وہ آخرت کی دنیا میں اس حال میں داخل ہوں گے کہ ان کے لیے جنت کے دروازے ابدی طور پر کھول دیے جائیں گے۔

لیکن جو لوگ موجودہ دنیا میں خدا کو بھول جائیں یا خدا کے مقابلہ میں سرکشی کا طریقہ اختیار کریں وہ خدا کے نزدیک مجرم ہیں۔ ایسے تمام لوگ آخرت کی نعمتوں سے محروم رہیں گے۔

موجودہ دنیا میں خدا غیب کی حالت میں ہے۔ آخرت کی دنیا میں وہ اپنی تمام قوتوں کے ساتھ سامنے آجائے گا۔ اس وقت تمام انسان خدا کے سامنے جھک جائیں گے۔ مگر اس وقت کا جھکنا کسی کے کام نہیں آئے گا۔ خدا کے سامنے وہ جھکنا مطلوب ہے جو دیکھنے سے پہلے موجودہ دنیا میں ہو۔ آخرت میں خدا کو دیکھ لینے کے بعد جھکنا کسی کو کچھ فائدہ دینے والا نہیں۔

موت آدمی کی زندگی کا خاتمہ نہیں وہ اگلے یا دوسرے مرحلۂ حیات کا آغاز ہے۔ موت وہ درمیانی مرحلہ ہے جبکہ آدمی آج کی وقتی دنیا سے نکل کر کل کی مستقل دنیا میں پہنچ جاتا ہے۔ وہ دنیا کے مسافر خانہ سے نکل کر آخرت کی ابدی قیام گاہ میں داخل ہو جاتا ہے آخرت کا یہ مرحلہ ہر ایک کی زندگی میں لازماً پیش آنے والا ہے۔ کوئی بھی نہیں جو اپنے آپ کو آخرت کی پیشی سے بچا سکے۔

روحانیت

روحانیت کیا ہے۔ خدا نے اس کو ابدی طور پر گلاب کے پیڑ کے روپ میں دکھا رکھا ہے۔ گلاب کے پیڑ میں کانٹا بھی ہوتا ہے اور پھول بھی۔ نوکیلے کانٹوں کے ساتھ خدا اسی شاخ میں ایک پھول اگاتا ہے۔ جس میں مہک ہو، جس میں رنگ ہو، جو اپنی خوشبو سے دور تک کے لوگوں کو معطر کر دے۔

یہ ہے روحانیت کا قدرتی نمونہ۔ روحانیت نام ہے کانٹوں کے بیچ میں پھول بن کر رہنے کا۔ روحانیت یہ ہے کہ آدمی زندگی کے کانٹوں میں نہ الجھے۔ وہ بھڑکنے والی باتوں پر نہ بھڑکے۔ ناخوشگوار تجربات اس کے اعتدال کو بھنگ نہ کریں۔ دوسروں کا ناپسندیدہ روپ اس کے اندر غصہ اور انتقام کے جذبات نہ پیدا کرے۔ وہ خود اپنے اصول کے تحت جئے۔ اس کی ذہنی سطح اتنی بلند ہو چکی ہو کہ پتھر مارنے والے کا پتھر اس تک پہنچ ہی نہ سکے۔

روحانیت کو قرآن میں ربانیت کہا گیا ہے۔ یعنی رب میں جینا، رب والا بن کر رہنا۔ جو لوگ انسانی جھگڑوں میں جئیں وہ اپنے قریب کی باتوں سے اثر لیتے رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی روحانیت کبھی ترقی نہیں کرتی۔ مگر جو آدمی اپنے آپ کو اتنا اٹھائے کہ وہ اپنے فکر و خیال کے اعتبار سے ربانی سطح پر جینے لگے وہ لوگوں کی باتوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ ربانیت کی صورت میں وہ اتنی بڑی چیز پالیتا ہے کہ ہر دوسری چیز اس کی نظر میں چھوٹی ہو جاتی ہے۔

ایسے آدمی کے اندر یہ طاقت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ گالی سن کر مسکرا دے۔ وہ غصہ دلانے والی بات کو بھلا دے۔ وہ کانٹے کا استقبال پھول کے روپ میں کر سکے۔

روحانی انسان اپنی روحانیت یا ربانیت کی صورت میں اتنی بڑی چیز پالیتا ہے کہ اس کے بعد کسی اور چیز کی تمنا نہیں رہتی۔ یہ چیز اس کے اندر حسد، خود غرضی اور استحصال کے جذبات کو ختم کر دیتا ہے۔ وہ اتنا زیادہ پالیتا ہے کہ اس کے بعد کوئی اور چیز پانے کے لیے باقی نہیں رہتی۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے مجموعہ سے وہ سماج بنتا ہے جو سورج کی طرح چمکے اور باغ کے روپ میں لہلہائے۔

تقویٰ

تقویٰ کے معنی ہیں پرہیزگاری۔ یعنی دنیا میں احتیاط اور پرہیز کے ساتھ زندگی گزارنا۔محتاط زندگی کا نام متقیانہ زندگی ہے۔ اور غیر محتاط زندگی کا نام غیر متقیانہ زندگی۔

حضرت عمر فاروق ؓ نے ایک صحابی سے پوچھا کہ تقویٰ کیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اے امیرالمومنین کیا آپ کسی ایسے راستے سے گزرے ہیں جس کے دونوں طرف جھاڑیاں ہوں۔ صحابی نے دوبارہ پوچھا کہ ایسے موقع پر آپ نے کیا کیا۔ انھوں نے جواب دیا کہ میں نے اپنے دامن سمیٹ لیے اور اپنے کو اس سے بچاتا ہوا گزر گیا۔ صحابی نے کہا کہ اسی کا نام تقویٰ ہے۔

موجودہ دنیا امتحان کی دنیا ہے۔ یہاں انسان کی آزمائش کے لیے مختلف قسم کے کانٹے بکھیر دیے گئے ہیں۔ کہیں منفی جذبات کا طوفان ہے۔ کہیں غیر سنجیدہ لوگوں کے چھیڑے ہوئے مسائل ہیں۔ کہیں دنیا کی کشش اپنی طرف کھینچ لینا چاہتی ہے۔ کہیں ایسے ناخوش گوار اسباب ہیں جو آدمی کے ذہن کو درہم برہم کر کے اس کو نیکی کے راستہ سے ہٹا دیں۔

یہ تمام چیزیں گویا کہ زندگی کے راستہ کے دونوں طرف کھڑی ہوئی کانٹے دار جھاڑیاں ہیں۔ ہر لمحہ یہ اندیشہ ہے کہ انسان کا دامن ان سے الجھ جائے۔ اور پھر آگے بڑھنے کے بجائے وہ انھیں چیزوں میں پھنس کر رہ جائے۔

ایسی حالت میں عقل مند وہ ہے جو دنیا کا راستہ اس طرح طے کرے کہ وہ اپنے دامن کو سمیٹے ہوئے ہو۔ وہ ناموافق چیزوں سے الجھنے کے بجائے ان سے اعراض کرتے ہوئے آگے بڑھتا رہے۔ ہر حال میں اس کا ذہن یہ ہو کہ اس کو اپنے آپ کو سنبھالنا ہے۔ اس کو بچاؤ کا طریقہ اختیار کرنا ہے نہ کہ الجھاؤ کا طریقہ۔

انسان صحیح فطرت پر پیدا کیا گیا ہے۔ کوئی چیز رکاوٹ نہ بنے تو ہر انسان اپنے آپ صحیح رخ پر اپنا سفر طے کرے گا۔ اس لیے اصل اہتمام کی بات یہ ہے کہ آدمی غیر فطری رکاوٹوں کو اپنے لیے رکاوٹ نہ بننے دے۔ اس کے بعد وہ خود اپنی فطرت کے زور پر صحیح رخ اختیار کرے گا یہاں تک کہ وہ اپنے رب سے جا ملے۔

شکر

شکر یہ ہے کہ آدمی خدا کی نعمتوں کا اعتراف کرے۔ یہ اعتراف اصلاً دل میں پیدا ہوتا ہے۔ اور پھر وہ الفاظ کی صورت میں آدمی کی زبان پر آجاتا ہے۔

انسان کو خدا نے بہترین جسم اور دماغ کے ساتھ پیدا کیا۔ اس کی ضرورت کی تمام چیزیں افراط کے ساتھ مہیا کیں۔ زمین و آسمان کی تمام چیزوں کو انسان کی خدمت میں لگا دیا۔ زمین پر زندگی گزارنے یا تمدن کی تعمیر کرنے کے لیے جو جو چیزیں مطلوب تھیں وہ سب وافر مقدار میں یہاں مہیا کر دیں۔

انسان ہر لمحہ ان نعمتوں کا تجربہ کرتا ہے۔ اس لیے انسان پر لازم ہے کہ وہ ہر لمحہ خدا کی نعمتوں پر شکر کرے۔ اس کا قلب خدا کی نعمتوں کے احساس سے سرشار رہے۔

شکر کی اصل حقیقت اعتراف ہے۔ جس چیز کو انسان کے سلسلہ میں اعتراف کہا جاتا ہے اسی کا نام خدا کی نسبت سے شکر ہے۔ اعتراف کا لفظ انسان کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے اور شکر کا لفظ خدا کے مقابلہ میں۔

شکر تمام عبادتوں کا خلاصہ ہے۔ عبادت کی تمام صورتیں دراصل شکر کے جذبہ ہی کی عملی تصویر ہیں۔ شکر سب سے زیادہ جامع اور سب سے زیادہ کامل عبادت ہے۔ شکر خدا پرستانہ زندگی کا خلاصہ ہے۔

شکر کا تعلق انسان کے پورے وجود سے ہے۔ ابتدائی طور پر آدمی اپنے دل اور اپنے دماغ میں شکر کے احساس کو تازہ کرتا ہے پھر وہ اپنی زبان سے بار بار اس کا اظہار کرتا ہے۔ اس کے بعد جب شکر کے جذبات قوی ہو جاتے ہیں تو انسان اپنے مال اور اپنے اثاثہ کو اظہار شکر کے طور پر خدا کی راہ میں خرچ کرنے لگتا ہے۔ اسی طرح اس کا جذبۂ شکر اس کو مجبور کرتا ہے کہ وہ اپنے وقت اور اپنی طاقت کو اس خدا کی راہ میں صرف کرے جس نے اس کو وقت اور طاقت کا یہ سرمایہ دیا ہے۔ ہمارا وجود پورا کا پورا خدا کا دیا ہوا ہے۔ ہم ایک ایسی دنیا میں جیتے ہیں جو سب کا سب خدا کا عطیہ ہے۔ اسی حقیقت کے اعتراف اور اظہار کا دوسرا نام شکر ہے۔

ذکر

اسلام کی ایک بنیادی تعلیم ذکر ہے۔ ذکر کے معنی یاد کے ہیں یعنی خدا کو یاد کرنا۔ خدا کو بھولنے کی حالت کا نام غفلت ہے اور خدا کو یاد رکھنے کی حالت کا نام ذکر۔

یہ ذکر ایک فطری حقیقت ہے۔ انسان ہر لمحہ ان چیزوں کا تجربہ کرتا ہے جن کا تعلق براہ راست خدا سے ہے۔ وہ سورج اور چاند، دریا اور پہاڑ، ہوا اور پانی کو دیکھتا ہے جو سب کی سب خدا کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ اسی طرح تمام مخلوقات جو انسان کے سامنے آتی ہیں وہ سب اس کو خالق کی یاد دلاتی ہیں۔ زمین سے لے کر آسمان تک جو چیزیں ہیں وہ سب خدا کے جمال وکمال کے مظاہر ہیں۔ وہ اپنے پورے وجود کے ساتھ خدا کی ہستی کا تعارف ہیں۔

اس طرح جس دنیا میں انسان رہتا ہے اور جن چیزوں کے درمیان وہ صبح وشام گزارتا ہے وہ ہر لمحہ اس کو خدا کی طرف متوجہ کرتی ہیں۔ ان چیزوں سے متاثر ہو کر اس کے دل ودماغ میں ہر لمحہ ربانی کیفیات پیدا ہوتی ہیں۔ انھیں کیفیات کے لفظی اظہار کا نام ذکر ہے۔

اسی طرح انسان اپنی زندگی میں بار بار خدا سے تعلق کا تجربہ کرتا ہے۔ وہ اپنے وجود پہ غور کرتا ہے تو اس کا دل اس احساس سے بھر جاتا ہے کہ خدا نے اس کو احسن تقویم کے ساتھ پیدا کیا اور ہر قسم کی اعلیٰ صلاحیتیں وافر مقدار میں اسے دے دیں۔ یہ احساسات اس کی زبان پر مختلف انداز میں آتے رہتے ہیں۔ یہ بھی ذکر کی ایک صورت ہے۔

اسی طرح انسان کو اپنی روزمرہ کی زندگی میں طرح طرح کے اتار چڑھاؤ پیش آتے ہیں۔ وہ مختلف قسم کے خوش گوار اور ناخوش گوار تجربات سے گزرتا رہتا ہے۔ ان تجربات کے دوران بار بار وہ خدا کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ بار بار وہ مختلف الفاظ میں خدا کو یاد کرتا ہے۔

اسی طرح روزمرہ کی عبادتوں کے درمیان وہ مختلف کلمات کو اپنی زبان سے ادا کرتا ہے۔ یہ کلمات کبھی قرآن وحدیث سے ماخوذ ہوتے ہیں اور کبھی خدا کی خدائی کے اعتراف میں بے ساختہ طور پر اس کی زبان سے جاری ہو جاتے ہیں۔ یہ سب خدا کا ذکر ہے۔

نماز

نماز خدا کی عبادت ہے۔ وہ روزانہ پانچ وقت کے لیے فرض ہے۔ جماعت کے ساتھ نماز کی ادائیگی کے لیے اس کا انتظام مسجدوں میں کیا جاتا ہے۔

نماز میں سب سے پہلے وضو کیا جاتا ہے۔ چہرہ اور ہاتھ اور پاؤں کو پانی سے دھوکر نمازی اپنے اندر اس احساس کو جگاتا ہے کہ وہ ہمیشہ پاکیزہ زندگی گزارے گا۔ پھر وہ اللہ اکبر (اللہ سب سے بڑا ہے) کہہ کر نماز کے عمل میں داخل ہوتا ہے۔ اس طرح وہ اقرار کرتا ہے کہ بڑائی صرف ایک خدا کے لیے ہے۔ آدمی کے لیے صحیح رویہ صرف یہ ہے کہ وہ چھوٹا اور متواضع بن کر دنیا میں رہے۔

نماز میں آدمی قرآن کے کچھ حصوں کو پڑھ کر اپنے بارہ میں خدا کے احکام کو ذہن میں تازہ کرتا ہے۔ پھر وہ رکوع اور سجدہ کر کے عمل کی زبان میں یہ کہتا ہے کہ میرے لیے صرف ایک ہی رویہ درست ہے، اور وہ یہ کہ میں خدا کا تابع بن کر دنیا میں زندگی گزاروں۔

نماز کا عمل جب ختم ہوتا ہے تو تمام نمازی دائیں اور بائیں منہ پھیر کر کہتے ہیں: السلام علیکم ورحمۃ اللہ (تمہارے اوپر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت ہو) یہ اس بات کا اعلان ہے کہ نماز کے ذریعہ تربیت پا کر اب تمام نمازی اس طرح دنیا میں داخل ہو رہے ہیں کہ ان کے دل میں دوسروں کے لیے رحمت اور امن کے سوا کوئی دوسرا جذبہ نہیں۔ وہ سماج کا امن پسند ممبر بن کر رہیں گے۔ وہ کسی کے ساتھ بدخواہی کا عمل نہیں کریں گے۔

نماز ایک اعتبار سے خدا کی عبادت ہے۔ وہ خدا کی خدائی کا اعتراف ہے۔ وہ ہر قسم کی بڑائی کو صرف خدا کے لیے خاص کرتے ہوئے اس کے آگے جھک جانا ہے۔

دوسرے اعتبار سے نماز آدمی کو اس کے لیے تیار کرتی ہے کہ لوگوں کے درمیان وہ سچا انسان بن کر رہے۔ وہ لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں تواضع اور ہمدردی کا انداز اختیار کرے ـــــــ نماز خدا کے ساتھ بھی انسان کے معاملہ کو درست کرتی ہے اور انسان کے ساتھ اس کے معاملہ کو بھی۔

روزہ

روزہ ایک سالانہ عبادت ہے۔ وہ ہر سال رمضان میں پورے ایک مہینہ تک رکھا جاتا ہے۔ روزہ میں آدمی خدا کے حکم کے تحت سحر سے لے کر سورج ڈوبنے تک کھانے پینے سے رک جاتا ہے۔ اور اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ ذکر وعبادت میں مشغول کرتا ہے۔ روزہ کا یہ عمل اس لیے کیا جاتا ہے تاکہ آدمی کی مادیت کم ہو اور اس کی روحانیت ترقی کرے۔ وہ دنیا میں روحانی زندگی گزارنے کے قابل ہو جائے۔

روزہ آدمی کے اندر شکر کا جذبہ ابھارتا ہے۔ کھانے اور پانی سے محرومی اس کو ان نعمتوں کی اہمیت بتاتی ہے۔ پھر جب بھوک اور پیاس کا تجربہ کر کے شام کو وہ کھاتا اور پیتا ہے تو وہ محسوس کرتا ہے کہ کھانا اور پانی کتنی قیمتی چیز ہے جو اس کو خدا کی طرف سے مہیا کی گئی ہے۔ یہ تجربہ اس کے شکر کے احساس کو بہت زیادہ بڑھا دیتا ہے۔

روزہ آدمی کے اندر اخلاقی ڈسپلن پیدا کرتا ہے۔ چند چیزوں پر روک لگا کر آدمی کو اس بات کی تربیت دی جاتی ہے کہ دنیا میں اس کو پابند زندگی گزارنا ہے نہ کہ بے قید زندگی۔

روزہ گویا ایک قسم کا اسپیڈ بریکر ہے۔ آدمی پر ایک مہینہ کے لیے روک لگا کر روزہ بتاتا ہے کہ وہ اسی طرح پورے سال اور پوری عمر روک تھام والی زندگی بسر کرے۔ وہ خدا کی مقرر کی ہوئی حدوں کے باہر جانے کی کوشش نہ کرے۔

روزہ رکھ کر آدمی یہ کرتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ ذکر اور عبادت اور تلاوت قرآن میں مشغول کرتا ہے۔ یہ گویا خدائی اعمال کی تاثیر کو بڑھانے کی ایک تدبیر ہے۔ اس طرح آدمی ذکر اور عبادت اور تلاوت قرآن کے اثرات کو مزید اضافہ کے ساتھ قبول کرتا ہے۔

روزہ ایک تربیتی کورس ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ ایک مہینہ خصوصی تربیت دے کر آدمی کو اس قابل بنا دیا جائے کہ سال بھر وہ خدا پرست اور انسان دوست بن کر زندگی گزار سکے۔

زکاۃ

زکاۃ سے مراد وہ متعین رقم ہے جو ایک مال والا آدمی اپنے مال میں سے سال کے آخر میں نکالتا ہے۔ اس طرح وہ اپنے کمائے ہوئے مال کو پاک کرتا ہے۔ ایک جزئی حصہ کو خدا کی راہ میں دے کر بقیہ حصہ کو وہ اپنے لیے جائز طور پر قابل استعمال بنا لیتا ہے۔

اپنی کمائی میں سے زکاۃ کی رقم نکالنا اس بات کا عملی اعتراف ہے کہ اصل دینے والا خدا ہے۔ جب دینے والا خدا ہے تو بندے کو چاہیے کہ اس کے دیے ہوئے میں سے خدا کی راہ میں خرچ کرے۔

زکاۃ کا قانون یہ ہے کہ مال والوں سے لے کر اس کو بے مال والوں میں دینا۔ یہ دولت کی گردش میں پیدا ہونے والی نابرابری کو دوبارہ برابر کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ اس طرح مال والوں کو یاد دلایا جاتا ہے کہ تمہارے اوپر ان لوگوں کا مالی حق ہے جن کو تقسیم میں کم حصہ ملا یا سرے سے کچھ نہیں ملا۔

زکاۃ کا تعلق اخلاقیات سے بھی جڑا ہوا ہے۔ زکاۃ ایک طرف دینے والے کے اندر سے بخل اور خود غرضی کے جذبات کو نکالتی ہے، وہ دینے والے کے دل میں فیاضی اور انسان دوستی کی روح پیدا کرتی ہے۔

دوسری طرف پانے والے کے لیے زکاۃ کا فائدہ یہ ہے کہ دوسروں کو وہ اپنا بھائی اور غم گسار سمجھنے لگے۔ دوسروں کے بارے میں اس کے دل میں حسد کے جذبات نہ ابھریں۔ بلکہ اس کے بجائے اس کے دل میں دوسروں کے لیے محبت کے جذبات پیدا ہوں۔

یہ زکاۃ چوں کہ اللہ کی راہ میں نکالی جاتی ہے اسی لیے وہ دوسری عبادتوں کی طرح ایک عبادت ہے۔ بظاہر وہ انسانوں کے درمیان تقسیم کی جاتی ہے، مگر اپنی حقیقت کے اعتبار سے وہ انسان کو خدا سے جوڑنے والی ہے، وہ انسان کو خدا سے قریب کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔

زکاۃ اپنی اسپرٹ کے اعتبار سے عبادت ہے اور اپنی خارجی تعمیل کے اعتبار سے خدمت۔

حج

حج ایک عبادت ہے۔ وہ استطاعت رکھنے والے کے اوپر زندگی میں ایک بار کے لیے فرض ہے۔ جو آدمی استطاعت نہ رکھتا ہو اس کے اوپر حج کی فرضیت نہیں۔

حج میں آدمی اپنے وطن سے نکل کر حجاز جاتا ہے۔ وہاں وہ مکہ میں داخل ہو کر کعبہ کا طواف کرتا ہے۔ وہ صفا اور مروہ نام کی دو پہاڑیوں کے درمیان سعی کرتا ہے۔ عرفات میں قیام کرتا ہے۔ جمار پر پتھر مارتا ہے۔ قربانی کرتا ہے۔ اس طرح کے مختلف عبادتی رسوم ذوالحجہ کے مہینہ میں ادا کیے جاتے ہیں۔ اسی کا نام حج ہے۔

یہ حج بندے کی طرف سے اپنے آپ کو اپنے رب کے حوالہ کرنے کی ایک علامتی صورت ہے۔ ان اعمال کے ذریعہ بندہ یہ عہد کرتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو خدا کے لیے سونپ رہا ہے۔ اس کی زندگی صرف خدا کے گرد گھومے گی۔ وہ خدا کی خاطر ہر قربانی کے لیے تیار رہے۔

حج کے عمل کے دوران آدمی کعبہ کے معمار حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو یاد کرتا ہے۔ وہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخی یادگاروں کو دیکھتا ہے۔ وہ اپنے کچھ ایام کو اس ماحول میں گزارتا ہے جہاں اسلام کی ابتدائی تاریخ بنائی گئی۔

اس طرح حج ایک آدمی کو خدا سے اور خدا کے پیغمبروں سے جوڑنے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ وہ خدا کے نیک بندوں کی زندگیوں کی یاد دلاتا ہے۔ وہ اسلام کی تاریخ سے زندہ تعلق پیدا کرنے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

اسی کے ساتھ حج ساری دنیا کے خدا پرستوں کو متحد کرتا ہے۔ وہ دنیا بھر کے ایمان والوں کے ذہن میں اس حقیقت کو تازہ کرتا ہے کہ ان کی نسلیں اور ان کی قومیتیں خواہ الگ الگ ہوں، مگر ایک خدا پر عقیدہ ان کے عالمی اتحاد کی مضبوط بنیاد ہے۔ وطن کے اعتبار سے وہ خواہ کتنے ہی مختلف ہوں مگر ایک خدا کا پرستار ہونے کے اعتبار سے وہ سب کے سب ایک ہیں اور ہمیشہ ایک رہیں گے۔ حج اصلاً خدا کی عبادت ہے مگر عملی اعتبار سے اس میں دوسرے بہت سے ملّی فائدے بھی شامل ہو جاتے ہیں۔ انھیں میں سے ایک ملّی اتحاد ہے۔

اخلاق

اخلاق سے مراد باہمی سلوک ہے۔ اخلاق اس برتاؤ کا نام ہے جو روزمرہ کی زندگی میں ایک آدمی دوسرے آدمی کے ساتھ کرتا ہے۔

اس اخلاق کا اصول کیا ہو۔ اس کا سادہ اصول یہ ہے کہ ـــــ تم دوسروں کے لیے وہی چاہو جو تم اپنے لیے چاہتے ہو، تم دوسروں کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرو جیسا برتاؤ تم اپنے لیے پسند کرتے ہو۔

ہر آدمی جانتا ہے کہ وہ میٹھے بول کو پسند کرتا ہے۔ اس لیے ہر آدمی کو چاہیے کہ وہ دوسروں سے بولے تو میٹھے انداز میں بولے۔ ہر آدمی چاہتا ہے کہ کوئی اس کی راہ میں کوئی پرابلم نہ کھڑا کرے، اس لیے ہر آدمی کو چاہیے کہ وہ دوسروں کی راہ میں کوئی پرابلم کھڑا کرنے سے اپنے آپ کو بچائے۔

ہر آدمی چاہتا ہے کہ دوسرے لوگ اس کے ساتھ ہمدردی اور تعاون کا معاملہ کریں۔ اس لیے ہر آدمی کو یہ کرنا چاہیے کہ جب بھی اس کا سابقہ دوسروں سے پڑے وہ ان سے ہمدردی اور تعاون کا معاملہ کرنے کی کوشش کرے۔

اخلاق کا یہ معیار انتہائی سادہ اور فطری ہے۔ یہ اتنا سادہ ہے کہ ہر آدمی اس کو جان سکتا ہے خواہ عالم ہو یا جاہل، حتیٰ کہ ایک اندھا یا معذور آدمی بھی نہایت آسانی کے ساتھ یہ سمجھ سکتا ہے کہ کیا چیز اس کے لیے پسندیدہ ہے اور کیا چیز ناپسندیدہ، اس حدیث نے انسانی اخلاق کا ایسا معیار دے دیا کہ جس کو سمجھنے سے کوئی شخص بھی عاجز نہیں ہو سکتا اس طرح اسلام نے ہر آدمی کو اس کے اپنے ذاتی تجربہ کی روشنی میں یہ بتا دیا کہ وہ لوگوں سے معاملہ کرنے میں کس قسم کا سلوک کرے اور کس قسم کا سلوک نہ کرے۔

حدیث میں ہے کہ لوگوں میں سب سے اچھا وہ ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہو۔ اس کے مطابق اچھا انسان بننا کوئی پر اسرار معاملہ نہیں، اس کا سادہ فارمولہ یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو دوہرے معیار سے بچالے۔ ایسا کرنے کے بعد وہ اپنے آپ اعلیٰ انسانی اخلاق کا مالک بن جائے گا۔

صبر

صبر کا مطلب ہے رکنا، اپنے آپ کو تھامنا۔ انسان کا مقصد یہ ہے کہ وہ اونچے آدرشوں کے مطابق دنیا میں زندگی گزارے۔ مگر دنیا میں قدم قدم پر ایسی ناپسندیدہ باتیں سامنے آتی ہیں جو آدمی کو بھڑکا دیں جو آدمی کے نشانہ کو اصل مقصد سے ہٹا کر دوسری طرف کر دیں۔

ایسی حالت میں آدمی اگر ایسا کرے کہ وہ ہر بھڑکنے والی بات پر بھڑک اٹھے، وہ ہر ناموافق چیز سے الجھ جائے تو وہ اپنے مقصد کی طرف اپنا سفر جاری رکھنے میں کامیاب نہیں ہوگا۔ وہ غیر متعلق چیزوں میں الجھ کر رہ جائے گا۔

اس مسئلہ کا واحد حل صبر ہے۔ صبر کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کو جب کسی کڑوے تجربہ سے سابقہ پیش آئے تو وہ بھڑک اٹھنے کے بجائے برداشت کا طریقہ اختیار کرے۔ وہ جھٹکے کو سہتے ہوئے سچائی کے راستہ پر آگے بڑھ جائے۔

یہ صبر ایک طرف باہر کی دنیا میں پیش آنے والے مسائل کا عملی حل ہے۔ دوسری طرف وہ آدمی کے لیے اپنی شخصیت کی تعمیر کا ذریعہ ہے۔ صبر نہ کرنے والے کی شخصیت منفی رجحانات کے درمیان پرورش پاتی ہے، اور جو آدمی صبر کرلے اس کی شخصیت مثبت رجحانات کے درمیان پرورش پانے لگتی ہے۔

صبر پسپائی نہیں ہے۔ صبر کا مطلب جوش والے راستہ کو چھوڑ کر ہوش والے راستہ کی طرف اقدام کرنا ہے۔ صبر یہ ہے کہ آدمی نازک مواقع پر اپنے جذبات کو تھامے۔ وہ اپنی عقل کو استعمال کر کے زیادہ مفید سمت میں اپنے عمل کا میدان تلاش کرلے۔

موجودہ دنیا اس ڈھنگ پر بنی ہے کہ یہاں ہر شخص کو لازماً ناخوش گوار باتوں سے سابقہ پیش آتا ہے۔ ناقابل مشاہدہ مناظر اس کے سامنے آتے ہیں۔ اس کو ناقابل سماعت آوازیں سننی پڑتی ہیں۔ ایسی حالت میں الجھاؤ کا طریقہ اختیار کرنے کا نام بے صبری ہے اور اعراض کا طریقہ اختیار کرنے کا نام صبر۔ موجودہ دنیا میں کامیابی صرف ان لوگوں کے لیے مقدر ہے جو ناخوش گوار مواقع پر صبر کا طریقہ اختیار کریں۔

سچ بولنا

مومن ایک سچا انسان ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ سچ بولتا ہے۔ وہ ہر معاملہ میں وہی بات کہتا ہے جو واقعہ کے مطابق ہو۔ مومن اس کا تحمل نہیں کرسکتا کہ وہ جھوٹ بولے اور جو چیز سچ ہے اس کا اظہار نہ کرے۔ سچ بولنا کیا ہے۔ سچ بولنا یہ ہے کہ آدمی کے علم اور اس کے بول میں تضاد نہ ہو۔ وہ جو کچھ جانتا ہے وہی بولے اور جو وہ بول رہا ہے وہ وہی ہو جو اس کے علم میں آیا ہو۔ اس کے برعکس جھوٹ یہ ہے کہ آدمی کا علم اس کو ایک بات بتاتا ہو مگر اپنی زبان سے وہ کسی دوسری بات کا بیان کرتا ہو۔

سچائی مومن کے کردار کا ایک اعلیٰ ترین پہلو ہے۔ مومن ایک با اصول انسان ہوتا ہے۔ اور با اصول انسان کے لیے اس کے سوا کوئی اور رویہ درست نہیں کہ وہ جب بھی بولے تو سچ بولے۔ سچائی کے خلاف بولنا اس کے لیے کسی حال میں ممکن نہیں۔

خدا کی دنیا پوری کی پوری سچائی پر قائم ہے۔ یہاں ہر چیز اپنے آپ کو اسی روپ میں ظاہر کرتی ہے جو کہ حقیقۃً اس کا روپ ہے۔ سورج، چاند، دریا، پہاڑ، درخت، ستارے اور سیارے سب کے سب سچ پر قائم ہیں۔ وہ اپنے آپ کو ویسا ہی بتاتے ہیں جیسا کہ وہ حقیقۃً ہیں۔ خدا کی وسیع دنیا میں کوئی بھی چیز جھوٹ پر قائم نہیں۔ کوئی بھی چیز ایسی نہیں جن کی حقیقت کچھ اور ہو اور وہ اپنے آپ کو کسی اور صورت میں ظاہر کرے۔

یہی فطرت کا کردار ہے جو آفاقی سطح پر پھیلا ہوا ہے۔ مومن بھی عین اسی کردار کا حامل ہوتا ہے وہ جھوٹ اور دو عملی سے مکمل طور پر پاک ہوتا ہے۔ مومن سراپا سچائی ہوتا ہے۔ اس کا پورا وجود سچائی میں ڈھلا ہوا ہوتا ہے۔ اس کو دیکھتے ہی یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ وہ اندر سے باہر تک ایک سچا انسان ہے۔

سچ بولنا مومن کے لیے صرف ایک پالیسی نہیں بلکہ وہ اس کا دین ہے۔ سچائی کے معاملہ میں سمجھوتہ کرنا اس کے لیے ممکن نہیں۔ وہ سچ بولتا ہے کیوں کہ اس کے بغیر وہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ وہ سچ بولتا ہے اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ سچ نہ بولنا اپنی ذات کی نفی ہے، اور جو چیز خود اپنی ذات کی نفی ہے اس کا ارتکاب کسی بھی شخص کے لیے ممکن نہیں۔

وعدہ

اجتماعی زندگی میں باہمی معاملات کرتے ہوئے بار بار ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص سے کوئی وعدہ کرتا ہے۔ ایسا وعدہ بظاہر دو انسانوں یا دو گروہوں کے درمیان ہوتا ہے۔ مگر اس میں تیسرا فریق اللہ ہوتا ہے جو گواہ کی حیثیت سے لازمی طور پر اس میں موجود رہتا ہے۔ اس لیے ہر وعدہ ایک خدائی وعدہ بن جاتا ہے۔

اسی لیے مومن وعدہ کے بارے میں نہایت حساس ہوتا ہے۔ اس کا یہ یقین کہ ہر وعدہ جو دو آدمیوں کے درمیان کیا جائے وہ خدا کی نگرانی میں ہوتا ہے اور خدا کے یہاں اس کا حساب ہوگا۔ یہ یقین اس کو مجبور کرتا ہے کہ وہ وعدہ کے بارے میں حد درجہ ذمہ دار ہو۔ جب وہ کسی سے ایک وعدہ کرلے تو لازماً وہ اس کو پورا کرے۔

جس سماج میں لوگ اس صفت کے حامل ہوں کہ وہ وعدہ ضرور پورا کریں۔ اس سماج کا ہر فرد قابل پیشین گوئی کردار کا حامل بن جاتا ہے۔ ایسے سماج میں وہ خاص صفت آجاتی ہے جو بقیہ کائنات میں وسیع پیمانہ پر موجود ہے۔ اس کائنات کا ہر جزء حد درجہ صحت کے ساتھ اپنا عمل کر رہا ہے۔ مثلاً سیاروں اور ستاروں کی گردش کے بارے میں پیشگی طور پر جانا جاسکتا ہے کہ وہ اگلے سو سال بعد یا ہزار سال بعد کہاں ہوں گے۔ اسی طرح پانی کے بارے میں پیشگی طور پر یہ معلوم ہے کہ وہ کتنے درجہ کی حرارت پر ابلنے لگے گا۔ اسی طرح پوری کائنات قابل پیشین گوئی کردار کی حامل بن گئی ہے۔

جس سماج میں لوگ وعدہ پورا کرنے والے بن گئے ہوں اس سماج میں اپنے آپ بہت سی دوسری خوبیاں پرورش پانے لگتی ہیں مثلاً ایسے سماج میں لین دین کے جھگڑے نہیں ہوتے۔ ایسے سماج میں ایک دوسرے پر اعتماد کی فضا قائم ہوجاتی ہے۔ ایسے سماج میں ہر آدمی سکون کی حالت میں ہوتا ہے کیوں کہ اس کو یہ اندیشہ نہیں ہوتا ہے کہ اس کو دوسروں کے ساتھ وعدہ خلافی کا معاملہ پیش آئے۔

وعدہ پورا کرنا اعلیٰ ترین اخلاقی صفت ہے۔ اور ایمان آدمی کو اسی اعلیٰ ترین اخلاقی صفت کا حامل بناتا ہے۔

صفائی

مومن ایک پاکیزہ انسان ہوتا ہے۔ سب سے پہلے ایمان اس کی روح کو پاکیزہ بناتا ہے۔ اس کے نتیجہ میں اس کا ظاہر بھی پاکیزہ ہو جاتا ہے۔ اس کا ایمانی مزاج اس کو ایک صفائی پسند انسان بنا دیتا ہے۔

مومن اپنی نماز کے لیے روزانہ کم از کم پانچ وقت ہاتھ، پاؤں اور چہرہ کو دھو کر وضو کرتا ہے۔ وہ روزانہ ایک بار نہا کر اپنے پورے جسم کو پاک کرتا ہے۔ اس کا کپڑا خواہ سادہ ہو، مگر وہ ہمیشہ دھلا ہوا صاف ستھرا کپڑا پہننا پسند کرتا ہے۔

اسی کے ساتھ وہ پسند کرتا ہے کہ اس کا گھر صاف ستھرا رہے۔ چنانچہ روزانہ گھر کی صفائی، سامان کو قرینہ سے رکھنا، ہر اس چیز سے گھر کو پاک رکھنا جو بدبو یا گندگی پیدا کرنے والی ہو، یہ ساری چیزیں اس کی روزمرہ کی زندگی میں شامل ہو جاتی ہیں۔ مومن کو اس کے بغیر چین نہیں آتا کہ اس کے جسم سے لے کر اس کے گھر تک ہر چیز صاف ستھری رہے۔

صفائی کا یہ ذوق صرف اپنے جسم اور اپنے گھر تک محدود نہیں رہتا۔ اس کا یہ ذوق اس کے گھر کے باہر اس کے پڑوس تک پہنچ جاتا ہے۔ وہ چاہنے لگتا ہے کہ وہ جہاں رہے اس کا پورا ماحول صاف ستھرا رہے۔ وہ اس کا پورا اہتمام کرتا ہے کہ وہ یا اس کے گھر والے آس پاس کے ماحول کو گندہ کرنے کا سبب نہ بنیں۔ یہی تربیت وہ دوسروں کو بھی دیتا ہے۔ اس کو اس وقت تک چین نہیں آتا جب تک وہ اپنے پورے پڑوس میں صفائی ستھرائی کا ماحول قائم نہ کر لے۔

عام لوگوں کے لیے صفائی صرف صفائی ہے۔ مگر مومن کے لیے صفائی عام معنوں میں صفائی بھی ہے اور اسی کے ساتھ وہ ایک عبادت بھی ہے، کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ خدا صاف ستھرے لوگوں کو پسند کرتا ہے۔

مزید یہ کہ مومن کا ایمان اس بات کی ضمانت ہے کہ جب وہ اپنے جسم کو پاک صاف کرے تو اسی کے ساتھ اس کی روح بھی پاک صاف ہو جائے۔ اس لیے کہ جب وہ جسمانی پاکی کا عمل کرتا ہے تو عین اسی وقت اس کی یہ دعا کہ خدایا تو میرے ظاہر کے ساتھ میرے باطن کو بھی پاک کر دے، اس کی روح کی پاکی کا ذریعہ بھی بن جاتی ہے۔

رواداری

رواداری (ٹالرنس) ایک اعلیٰ انسانی اور اسلامی صفت ہے۔ رواداری کا مطلب دوسروں کی رعایت کرنا ہے۔ اس کے مقابلہ میں عدم رواداری یہ ہے کہ آدمی صرف اپنے آپ کو جانے، وہ دوسروں کے تقاضے سے بے خبر ہو جائے۔ رواداری ایک اعلیٰ انسانی اسپرٹ ہے۔ اس کو شریعت میں مختلف الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً — رِفق، تالیفِ قلب، شفقت علی الخلق، وغیرہ۔

آدمی کے اندر جب خدا پرستی اور سچی دین داری آتی ہے تو وہ خود غرضی کے تحت پیش آنے والی تمام برائیوں سے اوپر اٹھ جاتا ہے۔ وہ اپنی ذات میں جینے کے بجائے حقائق میں جینے لگتا ہے۔ ایسا انسان عین اپنے مزاج کے مطابق دوسروں کو محبت کی نظر سے دیکھنے لگتا ہے۔ وہ دوسروں سے کسی چیز کا امیدوار نہیں ہوتا اس لیے دوسرے اگر اس سے اختلاف رکھیں یا اس کے ساتھ اچھا سلوک نہ کریں تب بھی وہ دوسروں کا خیر خواہ بنا رہتا ہے۔ تب بھی وہ دوسروں کی رعایت کرتا ہے۔ تب بھی وہ دوسروں کے ساتھ اپنے روادارانہ سلوک کو باقی رکھتا ہے۔

رواداری یہ ہے کہ آدمی ہر حال میں دوسرے کی عزت کرے خواہ وہ اس کے موافق ہو یا اس کے خلاف۔ وہ ہر حال میں دوسرے کو اعلیٰ انسانی درجہ دے خواہ وہ اس کا اپنا ہو یا غیر۔ وہ دوسرے کے کیس کو ہر حال میں ہمدردی کا کیس سمجھے۔ خواہ دوسرے کی طرف سے بظاہر غیر ہمدردانہ سلوک کا اظہار کیوں نہ ہوا ہو۔

رواداری کا مطلب دراصل دوسروں کی رعایت کرنا ہے۔ اجتماعی زندگی میں لازمی طور پر ایک اور دوسرے کے درمیان اختلافات پیش آتے ہیں۔ مذہب، کلچر، رواج اور ذاتی ذوق کا فرق ہر سماج میں باقی رہتا ہے۔ ایسی حالت میں اعلیٰ انسانی طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنے اصول پر قائم رہتے ہوئے دوسرے کے ساتھ رعایت اور توسع کا طریقہ اختیار کرے۔ وہ اپنی ذات کے معاملہ میں اصول پسند ہو مگر دوسرے کے معاملہ میں روادار۔ وہ اپنے آپ کو اپنے معیار کی روشنی میں جانچے۔ مگر جب دوسروں کا معاملہ ہو تو وہ رواداری اور وسعتِ ظرف کا طریقہ اختیار کرے۔ یہ رواداری انسانی شرافت کا لازمی تقاضا ہے۔ اسلام آدمی کے اندر یہی اعلیٰ شرافت پیدا کرتا ہے۔

اعراض

اسلام کا ایک اہم معاشرتی اصول اعراض (اوائڈنس) ہے۔ یعنی شکایت اور اختلاف کے موقع پر ٹکراؤ سے پرہیز کرنا۔ اشتعال کے موقع پر ردعمل کا طریقہ اختیار کرتے ہوئے اپنے آپ کو مثبت رویہ پر قائم رکھنا۔

ہر مرد وعورت کا مزاج دوسرے مرد وعورت سے مختلف ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک اور دوسرے کے درمیان اور بہت سے فرق ہیں جس کی بنا پر بار بار ایک کو دوسرے سے ناخوش گواری کا تجربہ پیش آتا ہے۔ ایک اور دوسرے کے درمیان اختلاف کی صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اجتماعی زندگی میں خواہ وہ گھر کے اندر کی ہو یا گھر کے باہر کی، اس طرح کی ناپسندیدہ صورت حال کا پیش آنا بالکل فطری ہے۔ اس کو روکنا کسی حال میں ممکن نہیں۔

اب ایک طریقہ یہ ہے کہ ہر اختلاف سے ٹکراؤ کیا جائے۔ ہر ناخوش گواری سے براہ راست مقابلہ کر کے اس کو دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس طرح کی کوشش غیر فطری ہے۔ اس لیے کہ وہ مسئلہ کو صرف بڑھانے والی ہے۔ وہ ہرگز اس کو گھٹانے والی نہیں۔

اسلام میں ایسے مواقع پر اعراض کی تعلیم دی گئی ہے۔ یعنی ناخوش گوار صورت حال کو مٹانے کے بجائے اس کو برداشت کرنا، اشتعال انگیزی کا مقابلہ کرنے کے بجائے اس کو نظر انداز کرنا، اختلاف کے باوجود لوگوں کے ساتھ متحد ہو کر رہنا۔

اسلام کے مطابق یہ صرف ایک معاشرتی طریقہ نہیں ہے بلکہ وہ ایک عظیم ثواب بھی ہے۔ لوگوں کے درمیان اچھے طریقے سے رہنا عام حالات میں بھی ایک ثواب ہے۔ مگر جب کوئی شخص شکایت اور اختلاف کے باوجود لوگوں کے ساتھ اچھے رویہ پر قائم رہے، وہ اپنے منفی جذبات کو دبا کر مثبت روش کا ثبوت دے تو اس کا ثواب بہت بڑھ جاتا ہے۔ خدا کے یہاں ایسے لوگوں کا شمار محسنین میں کیا جائے گا یعنی وہ لوگ جنھوں نے دنیا کی زندگی میں برتر اخلاق اور اعلیٰ انسانیت کا ثبوت دیا۔

اعراض کے بغیر اعلیٰ انسانی کردار پر قائم رہنا ممکن نہیں۔

اختلاف کے وقت

اختلاف زندگی کا ایک حصہ ہے۔ مختلف اسباب سے لوگوں کے درمیان اختلاف ہوتا رہتا ہے۔ جس طرح عام لوگوں کے درمیان اختلاف ہوتا ہے، اسی طرح مخلص اور مومن کے درمیان بھی اختلاف پیش آتا ہے۔ اختلاف کے ہونے کو روکا نہیں جاسکتا۔ البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ اختلاف کے باوجود آدمی اپنے آپ کو صحیح رویہ پر قائم رکھے۔

مومن وہ ہے جو اختلاف کو نیت کا مسئلہ نہ بنائے۔ اختلاف کو اسی دائرہ تک محدود رکھے جہاں اختلاف پیدا ہوا ہے۔ ایک معاملہ میں اختلاف کی وجہ سے کسی کو ہر معاملہ میں غلط سمجھ لینا، ایک معاملہ میں اختلاف پیش آنے کے بعد اس کو منافق، بدنیت اور غیر مخلص کہنے لگنا، یہ سراسر غیر اسلامی طریقہ ہے۔

اختلاف پیش آنے کے وقت تعلقات ختم کرنا صحیح نہیں۔ اختلافی مسئلہ پر سنجیدہ بحث جاری رکھتے ہوئے باہمی تعلقات کو بدستور قائم رکھنا چاہیے۔ اختلاف والے شخص سے سلام وکلام بند کرنا یا اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا چھوڑ دینا کسی بھی حال میں درست نہیں۔

موجودہ دنیا میں ہر چیز برائے امتحان ہوتی ہے۔ اسی طرح اختلاف بھی امتحان کے لیے ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ وہ اختلاف کے وقت سخت محتاط رہے۔ وہ مسلسل کوشش کرے کہ اس سے کوئی ایسا غلط ردعمل ظاہر نہ ہو جو اللہ کو پسند نہیں۔

اختلاف کے وقت انصاف پر قائم رہنا بلاشبہہ ایک مشکل کام ہے۔ مگر اس کا ثواب بھی بہت زیادہ ہے۔ اسلام میں ہر درست کام عبادت ہوتا ہے۔ یہ بھی ایک اعلیٰ عبادت ہے کہ اختلاف اور نزاع کی صورت پیش آنے کے باوجود آدمی اپنے دل کو دشمنی اور انتقام کی نفسیات سے بچائے، اختلاف کے باوجود وہ انصاف کی روش پر قائم رہے۔

اختلاف پیش آنا برا نہیں، برا یہ ہے کہ اختلاف پیش آنے کے بعد آدمی امتحان میں پورا نہ اترے۔ اختلاف کے وقت تقویٰ کی حد میں رہنا عظیم اسلامی عمل ہے، اور اختلاف کے وقت تقویٰ کی حد سے نکل جانا انتہائی سنگین قسم کا غیر اسلامی عمل۔

پڑوسی

پڑوسی کسی انسان کا سب سے قریبی ساتھی ہے۔ گھر کے افراد کے بعد کسی انسان کا سابقہ سب سے پہلے جن لوگوں سے پیش آتا ہے، وہ اس کے پڑوسی ہیں۔ پڑوسی کو خوش رکھنا، اس سے اچھا تعلق قائم کرنا، خدا پرستانہ زندگی کا ایک اہم پہلو ہے۔

پڑوسی خواہ اپنے مذہب کا ہو یا غیر مذہب کا، خواہ اپنی قوم کا ہو یا دوسری قوم کا، وہ ہر حال میں قابل لحاظ ہے۔ ہر حال میں اس کا وہ حق ادا کیا جائے گا جو شریعت اور انسانیت کا تقاضا ہے۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کی قسم وہ مومن نہیں ہے، خدا کی قسم وہ مومن نہیں ہے، خدا کی قسم وہ مومن نہیں ہے جس کی برائیوں سے اس کا پڑوسی امن میں نہ ہو۔ اس حدیث کے مطابق، کوئی مسلمان اگر اپنے پڑوسی کو ستائے وہ اس طرح رہے کہ اس کے پڑوسی کو اس سے تکلیف پہنچے۔ وہ اپنے پڑوسی کے لیے دلآزاری کا سبب بن جائے تو ایسے مسلمان کا ایمان و اسلام ہی مشتبہ ہو جائے گا۔

کسی آدمی کی انسانیت اور اس کے دینی جذبہ کی پہلی کسوٹی اس کا پڑوسی ہے۔ پڑوسی اس بات کی پہچان ہے کہ آدمی کے اندر انسانی جذبہ ہے یا نہیں اور یہ کہ وہ اسلامی احکام کے بارہ میں حساس ہے یا غیر حساس۔

کسی آدمی کا پڑوسی اس سے خوش ہو تو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ آدمی صحیح آدمی ہے۔ اور اگر اس سے اس کا پڑوسی ناخوش ہو تو یہ اس بات کا ثبوت ہوگا کہ وہ آدمی صحیح نہیں۔

پڑوسی کے سلسلہ میں شریعت کے جو احکام ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مومن کو چاہیے کہ وہ اپنے پڑوسی کی یک طرفہ طور پر رعایت کرے۔ وہ پڑوسی کے رویہ کو نظر انداز کرتے ہوئے اس کے ساتھ حسن سلوک کی کوشش کرے۔

اچھا پڑوسی بننا خود آدمی کے اچھے انسان ہونے کا ثبوت ہے۔ ایسے ہی انسان کو خدا اپنی رحمتوں میں حصہ دار بنائے گا۔

حقوق العباد

مومن پر ایک ذمہ داری وہ ہے جو خدا کی طرف سے اس پر عاید ہوتی ہے۔ اس کو حق اللہ کہا جاتا ہے۔ یعنی اللہ کو اس کی تمام صفات کمال کے ساتھ ماننا، اس کی عبادت کرنا۔ اس کے آگے اپنے آپ کو جواب دہ سمجھنا۔ اپنے آپ کو اس پر راضی کرنا کہ جب بھی خدا کا کوئی مطالبہ سامنے آئے گا تو وہ اس کو فوراً مان لے گا اور دل کی آمادگی کے ساتھ اس کی تعمیل کرے گا۔

مومن کی دوسری ذمہ داری وہ ہے جس کو حقوق العباد کہا جاتا ہے، یعنی بندوں کے حقوق۔ یہ وہ ذمہ داری ہے جو اس کے اوپر دوسرے انسانوں کی نسبت سے عائد ہوتی ہے۔ ہر مرد یا عورت جو اس کا رشتہ دار ہو یا جو اس کا پڑوسی ہو یا جو اس کا ہم وطن ہو یا اس کا معاملاتی شریک ہو۔ ہر ایک کا اس کے اوپر کچھ حق ہے۔ ان حقوق کو ادا کرنا مومن کی لازمی ذمہ داری ہے۔ ان حقوق کی ادائیگی کے بغیر وہ خدا کی نصرتوں کا مستحق نہیں بن سکتا۔

حقوق العباد سے کیا مراد ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جب بھی اور جہاں بھی ایک مومن کا سابقہ دوسرے انسانوں کے ساتھ پیش آئے تو وہ اس کے ساتھ وہی سلوک کرے جو اسلامی تقاضے کے مطابق ہو، وہ اس کے ساتھ کوئی ایسا سلوک نہ کرے جو اسلام کے معیار پر پورا نہ اترتا ہو۔

مثلاً دوسرے کا احترام کرنا اور اس کو کبھی بے عزت نہ کرنا۔ دوسرے کو نفع پہنچانا۔ اور اگر نفع پہنچانا ممکن نہ ہو تو کم از کم اپنے نقصان سے اس کو بچانا۔ دوسروں سے کیے ہوئے عہد و پیمان کو پورا کرنا اور کبھی اس کی خلاف ورزی نہ کرنا۔ دوسرے کے مال و جائداد پر ناجائز قبضہ کی کوشش نہ کرنا۔ دوسرے کے ساتھ ہر حال میں انصاف کرنا اور کبھی بے انصافی کا معاملہ نہ کرنا۔ ہر ایک کے ساتھ حسنِ ظن کا معاملہ کرنا اور کسی کے خلاف بلا دلیل بدگمانی میں مبتلا نہ ہونا۔ ہر ایک کو اس کے مفاد کے مطابق خیر خواہی کا مشورہ دینا اور کبھی کسی کو برا مشورہ نہ دینا، وغیرہ وغیرہ۔

ہر آدمی دوسرے کے بارہ میں اپنی انسانی ذمہ داریوں کو ادا کرے۔ اسی کا نام حقوق العباد ہے۔

تصورانسان

انسان خدا کا بندہ ہے۔ انسان کو خدا نے ایک منصوبہ کے تحت پیدا کیا ہے۔ وہ یہ کہ دنیا میں ایک عرصہ تک رکھ کر اسے جانچے۔ پھر ان میں سے جو انسان جانچ میں پورا اترے اس کو قبولیت اور انعام دیا جائے۔ اور جو لوگ اس جانچ میں پورے نہ اتریں ان کو رد کر دیا جائے۔

اس جانچ کی مصلحت کی بنا پر دنیا کی زندگی میں انسان کو آزادی دی گئی ہے۔ یہاں انسان کو جو کچھ بھی ملتا ہے وہ اس کا حق نہیں ہے، وہ صرف اس کے امتحان کا پرچہ ہے۔ ہر صورت حال ایک امتحان ہے، اور ہر صورت حال میں انسان کو اس کے مطابق اپنا مطلوب عمل انجام دینا چاہیے۔

انسان کے لیے صحیح رویہ یہ نہیں ہے کہ اس کی خواہش اور اس کی عقل اس کو جس طرف لے جائے، وہ اس طرف چل پڑے۔ بلکہ صحیح رویہ یہ ہے کہ وہ اپنی تخلیق کے خدائی منصوبہ کو سمجھے اور اس پر یقین کرتے ہوئے اس کے مطابق اپنی زندگی کی تعمیر کرے۔

انسان اپنی موجودہ آزادی کا غلط استعمال کرتے ہوئے خدائی نقشہ سے انحراف کر سکتا ہے، مگر وہ اپنے آپ کو غلط روی کے انجام سے بچا نہیں سکتا۔

ایسی حالت میں ہر انسان کا یہ خود اپنا مفاد ہے کہ وہ اپنی زندگی کا رخ متعین کرنے میں بے حد محتاط ہو۔ اپنی مرضی کو رہنما بنانے کے بجائے وہ خدا کی مرضی کو اپنا رہنما بنائے۔ اپنی خواہشوں کے پیچھے دوڑنے کے بجائے وہ خدا کے حکموں کی پابندی میں اپنی زندگی گزارے۔

انسان خدائی تخلیق کا شاہکار ہے، مگر اسی کے ساتھ وہ خدا کے تخلیقی منصوبہ کے ماتحت ہے۔ انھیں دونوں پہلوؤں کی رعایت میں انسانی ترقی کا راز چھپا ہوا ہے۔

انسان نے جدید صنعتی تمدن بنانے میں اس طرح کامیابی حاصل کی ہے کہ اس نے فطرت کے قانون کو دریافت کر کے اس کو استعمال کیا۔ اسی طرح اگلی دنیا کی وسیع تر کامیابی انسان کو صرف اس وقت ملے گی جبکہ وہ انسانیت کے بارے میں خدا کے تخلیقی نقشہ کو جانے اور اس کو درست طور پر اختیار کرتے ہوئے اپنی زندگی کی تعمیر کرے۔

خدمتِ خلق

مومن کے اندر جو اعلیٰ جذبات ہونے چاہئیں ان میں سے ایک خدمتِ خلق ہے۔ یعنی خدا کی مخلوق کے کام آنا۔ لوگوں کی ضروریات کو پوری کرنا۔ کسی صلہ کی امید نہ رکھتے ہوئے ہر ایک کی حاجتیں پوری کرنا۔

دوسروں کے کام آنا در اصل اپنے حق میں خدائی نعمت کا اعتراف کرنا ہے۔ وہی شخص دوسروں کے کام آتا ہے جس کے اندر دوسروں کے مقابلہ میں کچھ زیادہ صفات پائی جا رہی ہوں مثلاً آنکھ والے آدمی کا ایک بے آنکھ والے کے کام آنا، ایک تندرست آدمی کا کسی معذور کے کام آنا، ایک صاحب مال کا بے مال آدمی کے کام آنا۔ ایک صاحب حیثیت آدمی کا کسی بے حیثیت آدمی کے کام آنا۔

ایسے ہر موقع پر جب خدا کی دی ہوئی اپنی کسی حیثیت کی بنا پر آدمی کسی کی مدد کرتا ہے تو وہ ایسا کر کے خدا کے احسان کا اعتراف کرتا ہے۔ وہ خاموش زبان میں کہہ رہا ہوتا ہے کہ خدایا جو کچھ میرے پاس ہے وہ تیرا ہی دیا ہوا ہے اب میں دوبارہ اس کو تیری ہی راہ میں خرچ کر رہا ہوں۔ تو ہم دونوں کے لیے اپنی مزید رحمتیں اور برکتیں لکھ دے۔

خدمتِ خلق کا کام کر کے آدمی صرف دوسرے کی مدد نہیں کرتا بلکہ خود اپنی حیثیت کو بڑھاتا ہے۔ ملی ہوئی چیز کو صرف اپنے لیے استعمال کرنا گویا کہ حیوانی سطح پر جینا ہے۔ کیوں کہ حیوان بھی یہی کرتا ہے کہ جو کچھ اس کے پاس ہے صرف اس کا ہے اس میں کسی اور حیوان کا حصہ نہیں۔

مگر انسان کی سطح اس سے بلند ہے۔ انسان تمام مخلوقات میں سب سے افضل ہے۔ انسان کی اعلیٰ سطح کے مطابق جو رویہ ہے وہ صرف یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کے خول میں بند ہو کر نہ جئے بلکہ ساری انسانیت کو اپنے اندر سمیٹ لے۔ وہ دنیا میں اس طرح زندگی گزارے کہ وہ دوسروں کا خیر خواہ بنا ہوا ہو۔ دوسروں کی خدمت کرنے کے لیے تیار رہتا ہو۔ وہ اپنے اثاثہ میں دوسروں کا حق بھی تسلیم کرے۔

خدمتِ خلق دوسرے لفظوں میں خدمت انسانیت ہے اور خدا کی عبادت کے بعد خدمت انسانیت سے بڑا کوئی اور کام نہیں۔

مساوات

اسلام کے نزدیک تمام انسان برابر ہیں۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر اعلان کیا کہ کسی عربی کو کسی عجمی پر فضیلت نہیں۔ کسی سفید فام کو کسی سیاہ فام پر فضیلت نہیں۔ فضیلت کی بنیاد صرف تقویٰ ہے نہ کہ رنگ و نسل۔

انسانوں میں بظاہر رنگ و نسل وغیرہ کے اعتبار سے بہت سے فرق پائے جاتے ہیں مگر یہ فرق پہچان کے لیے ہیں نہ کہ فضیلت کے لیے۔ سماجی اور قومی زندگی کا نظام بنانے کے لیے ضروری ہے کہ لوگوں میں ایسی خصوصیات ہوں کہ وہ ایک دوسرے کے مقابلہ میں پہچانے جاسکیں۔ اس سماجی ضرورت کی بنا پر خدا نے انسانوں میں مختلف اعتبار سے ظاہری فرق رکھے ہیں تاکہ دنیا کا نظام اور آپس کا لین دین آسانی کے ساتھ جاری رہے۔

مگر یہ تمام ظاہری فرق صرف دنیوی پہچان کے لیے ہیں۔ جہاں تک انسان کی حقیقی فضیلت کا تعلق ہے وہ تمام تر داخلی صفات پر منحصر ہے۔ اسی لیے حدیث میں آیا ہے کہ خدا لوگوں کے دلوں کو دیکھتا ہے، وہ ان کے جسموں کو نہیں دیکھتا۔ یعنی جسمانی فرق کا تعلق انسانی معاملات سے ہے۔ خدا کے یہاں صرف ان لوگوں کو اونچا درجہ ملے گا جو اپنی اندرونی خصوصیات کے اعتبار سے قابل قدر ثابت ہوئے ہیں۔

اسلامی نظام کے ہر شعبہ میں اس انسانی برابری کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ نماز میں سارے انسان ایک ساتھ صف میں کھڑے ہوتے ہیں۔ حج میں دنیا بھر کے مسلمان یکساں قسم کے لباس پہن کر حج کے مراسم ادا کرتے ہیں۔ اسی طرح اسلام کے اجتماعی نظام میں ہر ایک شخص کو وہی درجہ حاصل ہے جو دوسرے شخص کے لیے ہے۔ نہ کسی کے لیے کم اور نہ کسی کے لیے زیادہ۔

اسلام کے نزدیک ہر قسم کی بڑائی صرف ایک خدا کے لیے ہے۔ انسان، آپس کے ظاہری فرق کے باوجود، سب کے سب یکساں طور پر خدا کے بندے ہیں۔ انسان اور خدا کے درمیان یقینی طور پر فرق ہے مگر انسان اور انسان کے درمیان کسی بھی قسم کا کوئی فرق نہیں۔

انسانی برادری

اسلام کے مطابق تمام انسان ایک خدا کے پیدا کیے ہوئے ہیں۔ اس لیے تمام انسان ایک برادری ہیں اور آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ انسان اور انسان کے درمیان فرق کرنا خدا کی پسند کے مطابق نہیں۔

انسانیت کا آغاز ایک جوڑے سے ہوا جس کو آدم اور حوا کہا جاتا ہے۔ انسان خواہ کہیں بھی ہوں اور کسی بھی ملک میں ہوں سب کے سب اسی ایک ماں باپ کی نسل سے ہیں۔ رنگ اور زبان اور دوسری چیزوں کا فرق محض جغرافی اسباب سے ہوا ہے۔ جہاں تک اصل کا تعلق ہے تمام انسان آخر کار آدم و حوا کی اولاد ہیں اور انھیں سے نکل کر ساری دنیا میں پھیلے ہیں۔

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ رنگ اور زبان اور دوسری چیزوں کے فرق کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے کو اجنبی نہ سمجھیں، اس کے برعکس یہ ہونا چاہیے کہ ہر ایک کے دل میں دوسرے کے لیے انس ہو۔ ہر ایک کو دوسرے سے محبت ہو۔ ہر ایک دوسرے کے کام آئے۔ سارے انسان وسیع تر معنوں میں مل جل کر اسی طرح رہیں جس طرح لوگ اپنے محدود خاندان میں رہتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ایک انسان اور دوسرے انسان کے درمیان جو تعلق ہے وہ اجنبیت کا نہیں ہے بلکہ شناسائی کا ہے، دوری کا نہیں ہے بلکہ نزدیکی کا ہے۔ نفرت کا نہیں ہے بلکہ محبت کا ہے۔

جب تمام انسان ایک ماں باپ کی اولاد ہیں تو اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ تمام انسان برابر ہیں۔ یہاں نہ کوئی چھوٹا انسان ہے اور نہ بڑا انسان۔ چھوٹے اور بڑے کا فرق انسان اور انسان کے درمیان نہیں ہے بلکہ انسان اور خدا کے درمیان ہے۔ جہاں تک انسان کا تعلق ہے، تمام انسان ایک دوسرے کے مقابلہ میں یکساں حیثیت رکھتے ہیں البتہ خدا کے مقابلہ میں کوئی انسان بڑا نہیں۔ تمام انسان یکساں طور پر خدا کے بندے اور مخلوق ہیں۔ خدا سب کو ایک نظر سے دیکھتا ہے۔ وہ اپنی مخلوقات میں ایک اور دوسرے کے درمیان کسی قسم کا فرق نہیں کرتا۔

تعصب نہیں

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بہت سے لوگ اسلام کے مخالف ہو گئے اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازش کرنے لگے۔ قرآن میں کئی جگہ اس واقعہ کا ذکر آیا ہے مگر قرآن میں اس کے مقابلہ میں جو تدبیر بتائی گئی وہ یہ نہیں تھی کہ تم ان کی سازشوں کو بے نقاب کرو۔ ان کے خلاف جوابی تحریک چلاؤ۔ ان کی سازش اور عداوت کو ختم کرنے کے لیے ان سے لڑائی کرو۔ اس کے برعکس قرآن میں رسولؐ اور اصحاب رسولؐ کو صرف ایک ہدایت دی گئی اور وہ توکل علی اللہ تھی۔ یعنی سازشوں اور دشمنیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف اللہ پر بھروسہ کرو۔ اس قسم کی باتوں سے بے نیاز ہو کر اپنی مثبت سرگرمیوں کو جاری رکھو۔

یہ ایک بے حد اہم ہدایت تھی۔ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے ذہن کو منفی سوچ سے ہٹا کر مثبت سوچ کی طرف ڈال دیا۔ ایک لفظ میں اس قرآنی تعلیم کا مطلب یہ تھا کہ: دوسروں میں جینے کے بجائے اپنے آپ میں جیو۔

اگر آپ کے ذہن میں یہ بات بھر جائے کہ دوسرے لوگ آپ کے خلاف سازش کر رہے ہیں تمام لوگ آپ کے دشمن ہو گئے ہیں تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ آپ ہر ایک پر شبہ کرنے لگیں گے۔ حتیٰ کہ خود اپنے فرقہ کا کوئی فرد اگر کوئی رواداری کی بات کرے گا تو آپ اس کو الٹے مفہوم میں لے کر یہ سمجھیں گے کہ یہ دشمنوں کا ایجنٹ ہے۔ اور اس طرح آپ خود اپنے لوگوں کو اپنے سے دور کر کے اپنے آپ کو کمزور کر لیں گے۔

سازش یا عداوتی ذہن کا ایک نقصان یہ ہے کہ ایسے لوگ موضوعی طرز فکر (آبجکٹیو تھنکنگ) کو کھو دیتے ہیں۔ ان کی ساری سوچ جانبدارانہ اور متعصبانہ بن جاتی ہے۔ وہ حقیقتوں کو ویسا ہی دیکھ نہیں پاتے جیسا کہ وہ ہیں۔ ان کی مثال اس انسان کی ہو جاتی ہے جو اپنی آنکھ میں کسی خرابی کی بنا پر باغ کے صرف کانٹوں کو دیکھ سکے۔ ایسا انسان گویا ایک پھول بلائنڈ انسان ہے۔ اس کو سارا باغ صرف کانٹوں سے بھرا ہوا دکھائی دے گا۔ عین اسی وقت باغ میں ہزاروں خوب صورت پھول کھلے ہوئے موجود ہوں گے مگر وہ ان کو دیکھنے سے محروم رہے گا۔

امن پسندی

مومن ایک امن پسند انسان ہوتا ہے۔ ایمان اور امن پسندی اتنا زیادہ ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں کہ مومن ہر حال میں امن کو برقرار رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ ہر دوسری چیز کو کھونا گوارا کر لیتا ہے۔ مگر وہ امن کو کھونا گوارا نہیں کرتا۔

مومن موجودہ دنیا میں جو زندگی گزارنا چاہتا ہے وہ صرف امن کے حالات ہی میں گزاری جا سکتی ہے۔ امن کی حالت مومن کے لیے موافق ماحول فراہم کرتی ہے اور بے امنی کی حالت مومن کے لیے مخالف ماحول کی حیثیت رکھتی ہے۔

امن ہمیشہ ایک قربانی چاہتا ہے۔ وہ قربانی یہ کہ دوسری طرف سے بدامنی کے اسباب پیدا کیے جائیں تب بھی اس کو نظر انداز کرتے ہوئے امن کی حالت کو برقرار رکھا جائے۔ مومن ہمیشہ اس قربانی کو دینے کے لیے تیار رہتا ہے۔ وہ ہر نقصان اور زیادتی کو برداشت کرتا ہے تاکہ امن کی حالت نہ ٹوٹے، تاکہ امن کا ماحول مسلسل طور پر قائم رہے۔

مومن اندر سے باہر تک ایک تعمیر پسند انسان ہوتا ہے۔ اس کی تعمیری سرگرمیاں صرف امن کی حالت میں جاری رہ سکتی ہیں۔ اس لیے وہ ہر قیمت دے کر امن کو برقرار رکھتا ہے تاکہ اس کی تعمیری سرگرمیاں بلا روک ٹوک جاری رہیں۔

مومن فطرت کے باغ کا ایک پھول ہے۔ پھول گرم ہواؤں میں جھلس جاتا ہے اور ٹھنڈی ہواؤں میں اپنے دل کش وجود کو باقی رکھتا ہے۔ یہی حال مومن کا ہے۔ امن مومن کی لازمی ضرورت ہے۔ امن مومن کی زندگی ہے۔ مومن حرص کی حد تک امن کا خواہش مند ہوتا ہے تاکہ اس کے انسانی درخت پر ایمان کا پھول کھلے اور کسی رکاوٹ کے بغیر فطرت کی فضا میں ظاہر ہو کر اپنی بہاریں دکھا سکے۔

امن کائنات کا دین ہے۔ امن فطرت کا عالمگیر قانون ہے۔ خدا کو امن کی حالت پسند ہے، اس کو بے امنی کی حالت پسند نہیں۔ یہی واقعہ اس بات کے لیے کافی ہے کہ مومن امن کو پسند کرے۔ وہ کسی حال میں امن کے خاتمہ کو برداشت نہ کر سکے۔

خداپرستانہ زندگی

اسلام کا مقصد یہ ہے کہ آدمی کو ایسا بنایا جائے کہ وہ دنیا میں خداپرستانہ زندگی گزارنے لگے۔ وہ غیر خداپرستانہ زندگی کو مکمل طور پر چھوڑ دے۔ غیر خداپرستانہ زندگی یہ ہے کہ آدمی کی دلچسپیاں خدا کے سوا دوسری چیزوں میں لگی ہوئی ہوں۔ اس کی توجہ کا مرکز مخلوقات ہوں نہ کہ خالق۔ وہ دوستی کرے تو خدا کے لیے کرے اور دشمنی کرے تو خدا کے لیے کرے۔ اس کی سوچ اور جذبات کا مرکز پوری طرح خدا کی ذات بن جائے۔ جب آدمی کسی منزل پر پہنچنے کے لیے ایک راستہ کو اختیار کرتا ہے تو وہ اس کو ضروری سمجھتا ہے کہ وہ دائیں بائیں مڑے بغیر اپنے راستہ پر چلتا رہے۔ کیوں کہ اس کے بغیر وہ منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔ یہی معاملہ انسان اور خدا کا بھی ہے۔

موجودہ دنیا میں کوئی انسان جب اپنی زندگی شروع کرتا ہے تو ایک راستہ وہ ہوتا ہے جو خدا کی طرف جاتا ہے۔ اسی کے ساتھ دوسرے بہت سے راستے ہوتے ہیں جو اِدھر اُدھر مڑکر کسی اور منزل کی طرف جارہے ہوتے ہیں۔ سچے طالبِ خدا کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اہتمام کے ساتھ خدا والے راستے پر چلتا رہے، وہ ہرگز دائیں اور بائیں جانے والے راستوں کی طرف نہ مڑے۔ جو آدمی خدا کی طرف جانے والے سیدھے راستے پر قائم رہے وہ بلاشبہہ خدا تک پہنچے گا۔ اس کے برعکس جو آدمی اِدھر اُدھر مڑ جائے وہ درمیان میں بھٹک کر رہ جائے گا۔ وہ کبھی خدا تک پہنچنے والا نہیں۔

اِدھر اُدھر کے راستوں پر بھٹکنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنی خواہش کا تابع بن جائے۔ وہ ظاہری مفاد کو اہمیت دینے لگے۔ وہ غصہ اور نفرت اور حسد اور انانیت جیسے جذبات کا شکار ہو جائے۔ وہ بے سوچے سمجھے ہر اس سمت میں دوڑ پڑے جو اسے اپنے سامنے کھلی ہوئی دکھائی دیتی ہوں۔

اس کے برعکس خدا والا راستہ یہ ہے کہ آدمی خدا کے احکام پر غور کرے۔ وہ سنجیدہ فیصلہ کے تحت اپنا رخ متعین کرے۔ وہ آخرت کی جواب دہی کی بنیاد پر اپنی زندگی کے معاملات طے کرے نہ کہ محض وقتی فائدہ یا وقتی محرکات کی بنیاد پر۔

صبح وشام

اسلام زندگی کا ایک مکمل پروگرام ہے۔ وہ آدمی کی پوری زندگی کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک زندگی کا کوئی لمحہ ایسا نہیں ہے جو اسلام کے دائرہ سے باہر ہو۔ ایک مومن رات کو سو کر صبح سویرے اٹھتا ہے۔ وہ سب سے پہلے اپنے جسم کو پاک کرتا ہے اور وضو کرکے فجر کی نماز ادا کرتا ہے۔ یہ گویا مومنانہ زندگی کا آغاز ہے جو پاکیزگی اور عبادت سے شروع ہوتی ہے۔ اس کے بعد صبح سے دوپہر تک کا وقت معاشی دوڑ دھوپ کا وقت ہے۔ تاہم اس دوڑ دھوپ کے دوران مومن مسلسل خدا کو یاد رکھتا ہے۔ وہ ہر معاملہ میں خدا کی مقرر کی ہوئی حد کی پابندی کرتا ہے۔ لین دین میں وہ دیانت داری کا انداز اختیار کرتا ہے۔ لوگوں کے ساتھ ملنے جلنے میں وہ پوری طرح اسلامی اخلاق کو اپنائے ہوئے ہوتا ہے۔

اس طرح دوسری نماز کا وقت آجاتا ہے جو دوپہر بعد پڑھی جاتی ہے۔ یہ ظہر کی نماز ہے۔ ظہر کی نماز کی صورت میں وہ اللہ سے اپنے تعلق کو از سر نو زندہ کرتا ہے۔ اپنے جسم اور اپنے روح کو وہ پاک کرکے دوبارہ زندگی کی جدوجہد میں شریک ہو جاتا ہے۔ وہ ایک با اصول انسان کی مانند اپنی سرگرمیوں میں مصروف ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ تیسری نماز کا وقت آجاتا ہے جس کو عصر کی نماز کہا جاتا ہے۔ اب وہ پھر نماز کی طرف رجوع کرتا ہے۔ وہ پھر خدا کی رحمتوں میں سے اپنا حصہ لیتا ہے تاکہ اگلے مرحلہ میں وہ اس کے کام آسکے۔

اس طرح مومن کے لمحات گزرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ سورج غروب ہوتا ہے اور چوتھی نماز کا وقت آجاتا ہے جس کو مغرب کی نماز کہا جاتا ہے۔ اب مومن اپنے کام کو چھوڑ کر پھر نماز کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ وہ مقرر قاعدہ کے مطابق نماز ادا کرتا ہے اور اس سے دینی اور روحانی غذا لے کر باہر آتا ہے۔ اس کے بعد وہ نماز سے حاصل کیے ہوئے دینی ذہن کے تحت اپنی ضروریات پوری کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ پانچویں نماز کا وقت آجاتا ہے جس کو عشاء کی نماز کہا جاتا ہے۔ عشاء سے فراغت کے بعد مومن اپنے بستر پہ جاتا ہے۔ اور اپنے دن بھر کے کام کا احتساب کرتے ہوئے سو جاتا ہے تاکہ صبح سویرے اٹھ کر وہ زیادہ بہتر طور پہ اپنے اگلے دن کا آغاز کر سکے۔

عبرت پذیری

مومن کا مزاج عبرت پذیری کا مزاج ہوتا ہے۔ اس کو قرآن میں توسم کہا گیا ہے یعنی واقعات سے نصیحت لینا۔ گرد و پیش کی چیزوں سے سبق حاصل کرنا۔

ایمان عین اپنی فطرت کے نتیجہ میں آدمی کو حساس بنا دیتا ہے۔ وہ ہر معاملہ کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرنے لگتا ہے۔ اس کا مزاج یہ بن جاتا ہے کہ وہ چیزوں کے سطحی پہلو سے گزر کر ان کی گہرائیوں میں اترے۔ جن چیزوں کو دیکھ کر لوگ سرسری طور پر گزر جاتے ہیں ان میں وہ حکمت کا خزانہ دریافت کر لیتا ہے۔ وہ بصارت سے گزر کر بصیرت کی نعمتوں کو پالیتا ہے۔

یہ ایک عظیم مومنانہ صفت ہے جو آدمی کی شخصیت کو بے پناہ بنا دیتی ہے۔ وہ ہر آن نئی نئی چیزیں دریافت کرتا ہے۔ پھیلی ہوئی کائنات اس کی روح کے لیے رزق کا ایک عظیم دسترخوان بن جاتی ہے۔

سورج کی روشنی میں اس کو معرفت کا نور دکھائی دیتا ہے۔ ہوا کے جھونکوں میں وہ لمس ربانی کے تجربے کرنے لگتا ہے۔ سرسبز درخت اور رنگین پھول اس کو عالمِ معنویت کی جھلکیاں دکھائی دینے لگتے ہیں۔ وہ ہر بہار میں ایک اور وسیع تر بہار اور ہر خزاں میں ایک اور بامعنی خزاں کا منظر دیکھنے لگتا ہے۔

اسی طرح تمام انسانی اور غیر انسانی واقعات اس کے لیے نصیحت کا خزانہ بن جاتے ہیں۔ وہ دوسروں کے علم سے اپنے علم میں اضافہ کرتا ہے۔ دوسروں کی غلطیاں اس کے لیے اپنی اصلاح کا سبب بن جاتی ہیں۔ چیونٹی سے لے کر اونٹ تک اور دریا سے لے کر پہاڑ تک ہر چیز میں وہ ایسے پہلو تلاش کر لیتا ہے جو اس کی بصیرت میں اضافہ کریں۔ جو اس کو نئے تجربات سے آشنا کر کے آخری حد تک بے پناہ بنا دیں۔

جس طرح مادی خوراک جسم کی صحت کے لیے ضروری ہے اسی طرح عبرت اور نصیحت انسان کی روحانی خوراک ہیں۔ مادی خوراک اگر جسمانی صحت کی ضمانت ہے تو نصیحت پذیری روحانی صحت کی ضمانت۔

گھریلو زندگی

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سب سے زیادہ بہتر آدمی وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہو (حدیث) یہ بات گھر کے ہر فرد کے لیے ہے خواہ وہ عورت ہو یا مرد خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ ہر ایک کو اپنے گھر کے اندر بہتر مرد یا بہتر عورت ہونے کا ثبوت دینا ہے۔ ہر ایک کو اپنے خاندان کا اچھا ممبر بن کر رہنا ہے۔

گھر کیا ہے۔ گھر سماجی زندگی کا ابتدائی یونٹ ہے۔ بہت سے گھروں کے ملنے سے سماج بنتا ہے۔ گھر کا ماحول اچھا ہو تو سماج کا ماحول بھی اچھا ہوگا اور گھر کا ماحول بگڑ جائے تو سماج کا ماحول بھی یقینی طور پر بگڑ جائے گا۔ اچھے گھروں کے مجموعہ کا دوسرا نام اچھا سماج ہے۔ اس کے برعکس برے گھروں کے مجموعہ کا دوسرا نام برا سماج ہے

آدمی کے اچھے ہونے کا معیار سب سے پہلے اس کا گھر ہے۔ کوئی آدمی اگر سماج میں دوسروں کے ساتھ ملنساری دکھائے اور گھر کے اندر وہ سخت مزاجی کے ساتھ رہتا ہو تو اس کو اچھا انسان نہیں کہا جائے گا۔ کیوں کہ اچھی انسانیت کا اصل معیار آدمی کے گھر کی زندگی ہے نہ کہ باہر کی زندگی۔

گھر کی زندگی میں ہر ایک کو کس طرح رہنا ہے۔ وہ یہ ہے کہ بڑا اپنے چھوٹے کا لحاظ کرے اور جو چھوٹا ہے وہ اپنے بڑے کا احترام کرے۔ مرد گھر کی خواتین کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کریں۔ اور خواتین مردوں کے لیے کوئی مسئلہ پیدا نہ کریں۔ گھر کے تمام افراد کی نظر اپنی ڈیوٹی پر ہو نہ کہ اپنے حقوق پر۔ ہر ایک یہ چاہے کہ وہ اپنے حصہ کا کام کرنے کے ساتھ دوسرے کے کام میں بھی اس کا ہاتھ بٹائے۔ جب بھی گھر میں کوئی مسئلہ پیدا ہو تو ہر ایک کی یہ کوشش ہو کہ مسئلہ مزید نہ بڑھے بلکہ پیدا ہوتے ہی ختم ہو جائے۔

کامیاب گھریلو زندگی کا راز خدمت اور موافقت ہے۔ گھر کا ہر ممبر دوسرے کی خدمت کا جذبہ اپنے اندر رکھتا ہو اور اختلاف یا شکایت کا لحاظ کیے بغیر ہم آہنگی کے ساتھ رہنے کے لیے تیار رہتا ہو۔

عزتِ نفس

عزتِ نفس اور کبرِ نفس میں اتنا کم فرق ہے کہ یہ طے کرنا تقریباً ناممکن ہے کہ کہاں عزتِ نفس کی حد ختم ہوتی ہے اور کہاں سے کبرِ نفس کی حد شروع ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں عزتِ نفس کو کوئی درجہ نہیں دیا گیا ہے۔

اکثر حالات میں عزتِ نفس دراصل کبرِ نفس ہی کا دوسرا نام ہوتا ہے۔ گہرائی کے ساتھ دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ عزتِ نفس سرے سے کوئی پسندیدہ چیز نہیں۔ عزتِ نفس کی حقیقت اکثر حالات میں اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ کبرِ نفس ہی کا ایک خوب صورت نام ہوتا ہے۔

اسلام میں اصل قابلِ قدر چیز عزتِ نفس نہیں بلکہ کسرِ نفس ہے۔ اسلام میں اعلیٰ اخلاقیات کا معیار تواضع ہے۔ دلیل کے آگے جھک جانا، اپنی غلطی کو مان لینا، اکڑ سے مکمل طور پر خالی ہونا، یہ مومن کی صفات ہیں، اور ان صفات کے ساتھ عزتِ نفس کا کوئی جوڑ نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ عزتِ نفس کا مزاج آدمی کے لیے تواضع، اعتراف اور حلم میں رکاوٹ بن جاتا ہے، جبکہ اسلام کی اعلیٰ اخلاقی قدر یہی ہے۔

جب دو آدمیوں یا دو گروپ میں نزاع ہو تو نزاع بہت جلد بڑھ کر وقار کا سوال بن جاتی ہے۔ اور جب کسی مسئلہ میں وقار کی صورت پیدا ہو جائے تو اپنے موقف سے ہٹنا آدمی کو بے عزتی معلوم ہونے لگتا ہے۔ چنانچہ اپنے عزت و وقار کو بچانے کے نام پر وہ اپنے موقف پر اکڑ جاتا ہے۔ اسی اکڑ یا ضد کا خوب صورت نام عزتِ نفس ہے۔

صحیح اسلامی طریقہ یہ ہے کہ نزاع کو کسی بھی حال میں وقار کا سوال نہ بنایا جائے۔ بلکہ صلح جوئی کے ذہن کے تحت اس کو رفع کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس طرح کے معاملات میں جھکنا ہی اسلام کا مطلوب ہے نہ کہ ضد میں پڑ کر اپنے موقف پر اکڑ جانا اور یہ کہہ کر اپنے کو فریب میں مبتلا کرنا کہ میں اپنی عزتِ نفس کو بچانے کے لیے ایسا کر رہا ہوں۔

ضد ایک نفسیاتی برائی ہے، جبکہ تواضع اور فروتنی ایک عظیم عبادت ہے۔ خدا ضد اور اکڑ کو ناپسند کرتا ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں تواضع اور فروتنی کو پسند کرتا ہے اور جو لوگ حقیقی معنوں میں تواضع اور فروتنی کا ثبوت دیں ان کے درجات کو دنیا اور آخرت میں بلند کرتا ہے۔

سادگی

مومن وہ ہے جو خدا کو پالے۔ خدا کو پانے والا انسان فطری طور پر اعلیٰ حقیقتوں میں جینے لگتا ہے۔ وہ ظاہری چیزوں سے اوپر اٹھ کر معنوی دنیا میں اپنے لیے دل چسپی کا سامان پالیتا ہے۔ ایسا انسان عین اپنے مزاج کے مطابق سادگی پسند انسان بن جاتا ہے۔ اس کا نظریہ یہ ہوجاتا ہے کہ ــــ سادہ زندگی گزارو، البتہ اپنی سوچ کو اونچا رکھو۔

جو آدمی معنوی حقیقتوں کا ذوق آشنا ہوجائے اس کے لیے ظاہری اور مادی چیزوں میں کوئی لذت باقی نہیں رہتی۔ ایسے آدمی کو سادگی میں لذت ملنے لگتی ہے۔ بناوٹی تکلفات اس کی نظر میں اپنی کشش کھودیتے ہیں۔ اس کی روح کو فطری چیزوں میں سکون ملتا ہے۔ غیر فطری اور مصنوعی رونقیں اس کو ایسی محسوس ہونے لگتی ہیں جیسے کہ وہ اس کی اندرونی دنیا کو بکھیر رہی ہیں جیسے کہ وہ اس کے روحانی سفر میں ایک رکاوٹ ڈال رہی ہیں۔

سادگی مومن کی طاقت ہے۔ وہ مومن کی مددگار ہے۔ سادگی کا طریقہ اختیار کرکے مومن اس قابل ہوجاتا ہے کہ وہ اپنے وقت کو غیر متعلق چیزوں میں ضائع نہ کرے۔ وہ اپنی توجہ کو غیر ضروری چیزوں میں الجھانے سے بچائے۔ اور اس طرح اپنے آپ کو کامل طور پر صرف اپنے مقصدِ اعلیٰ کے حصول میں لگا سکے۔

سادگی مومن کی غذا ہے۔ سادگی اس کی تواضع کے لیے ایک لباس بن جاتی ہے۔ سادگی کے ماحول میں اس کی شخصیت زیادہ بہتر طور پر پرورش پاتی ہے۔ سادگی مومن کا حسن ہے۔ سادگی مومن کے لیے زندگی ہے۔ مومن اگر اپنے آپ کو مصنوعی رونقوں میں پائے تو اس کو ایسا محسوس ہوگا جیسے اس کو کسی قید خانہ میں بند کر دیا گیا ہے۔

مومن آخری حد تک اپنے آپ کو خدا کا بندہ سمجھتا ہے۔ یہ چیز اس کو عبدیت کے احساس میں جینے والا بنادیتی ہے اور جو انسان عبدیت کے احساس میں جی رہا ہو اس کا مزاج لازمی طور پر سادگی کا مزاج ہوتا ہے۔ غیر سادگی کا انداز اس کے مزاج سے مطابقت نہیں رکھتا اس لیے وہ اس کو اختیار بھی نہیں کرسکتا۔

خدائی طریقہ

کائنات میں اَن گنت ستارے اور سیارے ہیں۔ یہ سب کے سب وسیع خلا کے اندر ہر لمحہ گھوم رہے ہیں۔ خلا گویا کہ لاتعداد متحرک اجسام کی دوڑ کا ایک اتھاہ میدان ہے۔ مگر حیرت ناک بات ہے کہ ان ستاروں اور سیاروں میں کبھی ٹکراؤ نہیں ہوتا۔

اس کا راز کیا ہے۔ اس کا راز یہ ہے کہ ہر ستارہ اور ہر سیارہ نہایت پابندی کے ساتھ اپنے اپنے مدار میں گھومتا ہے۔ وہ اپنے مدار سے ذرا بھی باہر نہیں جاتا۔ حرکت کا یہی قانون ہے جو ان ستاروں اور سیاروں کو آپس میں ٹکرانے سے مسلسل روکے ہوئے ہے۔

ٹھیک یہی طریقہ انسان سے بھی مطلوب ہے۔ انسان کی دوڑ کے لیے بھی خدا نے ایک دائرہ مقرر کر دیا ہے۔ ہر انسان کو اسی محدود دائرہ کے اندر حرکت کرنا ہے۔ جب تمام انسان اپنے اپنے دائرہ میں حرکت کریں تو سماج میں اپنے آپ امن کی حالت قائم ہو جاتی ہے۔ اور جب لوگ اپنی حدیں نہ رہیں بلکہ مقرر حد کو توڑ کر اِدھر اُدھر دوڑنے لگیں تو ایسے سماج میں لازماً نزاع شروع ہو جائے گی۔ لوگ ایک دوسرے سے ٹکرا کر اپنے آپ کو بھی تباہ کریں گے اور دوسرے کی تباہی کا بھی سامان فراہم کریں گے۔

انسان اجتماعی زندگی میں کس طرح رہے۔ وہ دوسروں کے ساتھ کس طرح معاملہ کرے۔ دوسروں کے ساتھ اس کا سلوک کیسا ہو۔ اپنے قول و عمل میں وہ کیا انداز اختیار کرے۔ ان سب باتوں کے لیے خدا نے واضح احکام دیے ہیں۔ اس نے بتا دیا ہے کہ انسان کیا کرے اور کیا نہ کرے۔ جو لوگ زندگی کے معاملات میں وہ کریں جس کی خدا نے ان کو اجازت دی ہے وہ گویا کہ اپنے مقرر دائرہ کے اندر حرکت کر رہے ہیں۔ اس کے برعکس جو لوگ وہ کچھ کرنے لگیں جس سے خدا نے روکا ہے تو وہ گویا کہ اپنے مقرر دائرہ سے باہر آ گئے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو سماج میں ہر قسم کی خرابیاں پیدا کرتے ہیں۔ وہ خود بھی تباہ ہوتے ہیں اور سماج کی تباہی کا بھی سبب بنتے ہیں۔

سچا انسان وہ ہے جو خدا کے مقرر کیے ہوئے دائرہ میں رہتے ہوئے زندگی گزارے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو دنیا میں بھی خدا کی رحمتیں پائیں گے اور آخرت میں بھی خدا کی ابدی رحمتوں سے سرفراز کیے جائیں گے۔

مال

مال زندگی کی ضرورت ہے، مال زندگی کا مقصد نہیں، مال کو اگر اس لیے حاصل کیا جائے کہ اس سے زندگی کی ضروری حاجتیں پوری ہوں تو مال انسان کے لیے بہترین مددگار ہے۔ لیکن مال کو اگر زندگی کا مقصد بنالیا جائے اور بس زیادہ سے زیادہ مال کمانے ہی کو آدمی اپنا سب سے بڑا کام سمجھ لے تو ایسا مال ایک مصیبت ہے، وہ آدمی کو دنیا میں بھی تباہ کرے گا اور آخرت میں بھی۔

انسان کو دنیا میں ایک مدت تک جینا ہے۔ اس لیے اس کو کچھ مادی سامان درکار ہیں جو اس کے لیے جینے کا سہارا بن سکیں۔ یہ سامان مال کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے کمائی کرکے مال حاصل کرنا ہر آدمی کے لیے ضروری ہے۔ اس اعتبار سے مال ہر انسان کے لیے ایک قیمتی مددگار کی حیثیت رکھتا ہے۔

مگر انسانی زندگی کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس کو علم حاصل کرنا ہے۔ اس کو روحانی ترقی کے لیے کوشش کرنا ہے۔ اس کو انسانیت کی تعمیر و ترقی میں اپنا مثبت حصہ ادا کرنا ہے۔ اس کو اپنے آپ کو اس طرح بنانا ہے کہ اپنے سماج میں وہ اس کا ایک مفید جزء بن کر رہ سکے۔

یہی وہ چیز ہے جس کو مقصد زندگی کہا جاتا ہے۔ اس مقصد کا حصول صرف اس وقت ممکن ہے جبکہ آدمی اپنی طاقت کا ایک حصہ اس میں لگائے۔ مال کمانے کی سرگرمیوں کو ایک حد میں رکھ کر وہ ان کاموں کے لیے اپنے وقت کو فارغ کرے۔

مال انسان کی جسمانی یا مادی ضرورتوں کو پورا کرتا ہے۔ مگر مال اس کی روحانی اور فکری ضرورتوں کی تکمیل کے لیے کافی نہیں۔ جو آدمی مال ہی کو اپنی زندگی مقصد بنالے اس کا جسم تو مسلسل غذا پاتا رہے گا، مگر اس کی روح فاقہ کر رہی ہوگی، اس کی ذہنی ہستی اپنی خوراک سے محروم ہو کر ایسی ہو جائے گی جیسے کہ اس کا کوئی وجود ہی نہ ہو۔

اسی لیے مال کو فتنہ کہا گیا ہے۔ یعنی وہ انسان کے لیے آزمائش ہے مال کا صحیح استعمال انسان کو ہر قسم کی ترقیوں کی طرف لے جاتا ہے۔ اور مال کا غلط استعمال انسان کو تباہی کے گڑھے میں گرا دیتا ہے۔

کھونا، پانا

دنیا میں آدمی کبھی کھوتا ہے اور کبھی پاتا ہے۔ یہ دونوں تجربے ایسے ہیں جو ہر آدمی کو اور ہمیشہ پیش آتے ہیں۔ کوئی بھی اس سے بچا ہوا نہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ ان تجربات کو آدمی کو کس طرح لینا چاہیے۔ اسلام بتاتا ہے کہ دونوں ہی تجربے آزمائش کے تجربے ہیں۔ یہاں پانا بذاتِ خود کامیابی نہیں۔ اسی طرح کھونے کا مطلب یہ نہیں کہ آدمی آخری طور پر ناکام ہو گیا۔

کھونے یا پانے کے معاملہ میں اصل اہمیت خود کھونے یا پانے کی نہیں ہے۔ اصل اہمیت کی بات یہ ہے کہ آدمی پر جب یہ تجربات گزرے تو اس کے بعد اس نے کس قسم کا ردعمل پیش کیا۔

جب آدمی پر کھونے کا تجربہ گزرے تو اس کو ایسا نہیں کرنا چاہیے کہ وہ اپنے کو محروم اور ناکام سمجھ کر حوصلہ کھو بیٹھے یا فریاد و شکایت میں مشغول ہو جائے۔ اس کے بجائے آدمی کو چاہیے کہ وہ حوصلہ مندی کا ثبوت دے۔ وہ اس کو برداشت کرتے ہوئے اپنے ذہنی اعتدال کو برقرار رکھے۔ وہ یہ سوچے کہ دینے والا بھی خدا ہے اور لینے والا بھی خدا۔ اس لیے مجھے خدا کے فیصلہ پر راضی رہنا ہے۔ خدا کے فیصلہ پر راضی رہ کر ہی میں دوبارہ اس کی رحمت اور توجہ کا مستحق ہو سکتا ہوں۔

اسی طرح جب آدمی کو پانے کا تجربہ ہو تو اس کو ایسا نہیں کرنا چاہیے کہ وہ فخر و ناز کی نفسیات میں مبتلا ہو جائے۔ وہ اپنے آپ کو اونچا سمجھنے لگے۔

اس کے برعکس اس کو ایسا کرنا چاہیے کہ کامیابی اس کی تواضع میں اضافہ کرے۔ خدا اور انسانیت کی نسبت سے اس کے اوپر جو فرائض آتے ہیں ان کو وہ اور زیادہ اہتمام کے ساتھ ادا کرنے لگے۔

اس دنیا میں کھونا بھی امتحان ہے اور پانا بھی امتحان۔ نہ کھونے والا ناکام ہے اور نہ پانے والا کامیاب۔ کامیابی اور ناکامی کا اصل معیار یہ ہے کہ ان تجربات کے بعد آدمی کیسا ثابت ہوتا ہے۔

کامیاب وہ ہے جو کھونے اور پانے کے تجربات کے باوجود اعتدال پر رہے۔ دونوں میں سے کوئی تجربہ اس کو اعتدال کی راہ سے ہٹانے والا ثابت نہ ہو۔ ایسے ہی لوگ خدا کی نظر میں کامیاب لوگ ہیں۔ کوئی بھی چیز ان کی کامیابی میں خلل ڈالنے والی نہیں۔

نجات

انسان کا سب سے بڑا مسئلہ کیا ہے۔ اس کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ موت کے بعد آنے والی زندگی میں اس کو نجات حاصل ہو۔ وہ خدا کی ابدی رحمتوں میں جگہ پائے۔

ہر انسان جو موجودہ دنیا میں پیدا ہوا ہے اس کو موت کے بعد ایک اور دنیا میں داخل ہونا ہے۔ موجودہ دنیا میں آدمی کو زندگی کے مواقع آزمائش کے لیے ملے ہوئے تھے۔ اگلی دنیا میں جو کچھ کسی کو ملے گا وہ اس کے عمل کے بدلہ کے طور پر ملے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ موت سے پہلے کی دنیا میں تو ہر آدمی کو تمام چیزیں لازمی طور پر ملی ہوئی ہیں، خواہ وہ اس کا مستحق ہو یا مستحق نہ ہو۔ مگر موت کے بعد کی دنیا میں یہ لزوم ختم ہو جائے گا۔ اس وقت چیزوں کو پانے کا معیار استحقاق ہو گا نہ کہ امتحان۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگلی دنیا میں جو لوگ مستحق قرار پائیں گے ان کو تو ہر قسم کی نعمتیں مزید اضافہ کے ساتھ دے دی جائیں گی۔ مگر جو لوگ غیر مستحق قرار پائیں گے وہاں ان کے لیے کچھ بھی نہ ہو گا۔ وہ مجبور ہوں گے کہ وہاں کامل محرومی کی زندگی گزاریں۔

یہی ہر آدمی کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ ہر آدمی کو سب سے زیادہ جس بات پر دھیان دینا چاہیے کہ ایسا نہ ہو کہ وہ اگلی زندگی میں غیر مستحق قرار دیا جائے۔ اور نجات پائے ہوئے لوگوں میں شامل نہ ہو۔ ہر آدمی کو اپنی طاقت اور توجہ سب سے زیادہ جس کام میں لگانا ہے وہ یہ کہ موجودہ دنیا میں وہ اس طرح زندگی گزارے کہ اگلے مرحلۂ حیات میں وہ غیر مستحق نہ قرار دیا جائے بلکہ وہاں اس کو سعادت اور نجات حاصل ہو۔

اگلی دنیا زیادہ کامل اور ابدی دنیا ہے۔ وہاں ہر قسم کی لذتیں اور خوشیاں بھرپور طور پر اکٹھا کر دی گئی ہیں۔ یہی وہ دنیا ہے جس کے لیے انسان آرزو کرے اور یہی وہ دنیا ہے جس کے لیے انسان اپنی ساری محبتیں صرف کر دے۔ مگر اس نعمت بھری دنیا کے لیے عمل کرنے کا مقام موت سے پہلے کی دنیا ہے نہ کہ موت کے بعد آنے والی دنیا۔ آج کی دنیا عمل کرنے کی جگہ ہے اور اگلی دنیا عمل کا انجام پانے کی جگہ۔ آخرت کی نجات صرف ان لوگوں کو ملے گی جو آخرت سے پہلے اپنے آپ کو نجات کا مستحق ثابت کریں۔

جہاد

جہاد کے معنی کوشش کے ہیں۔ دین کی راہ میں کسی بھی سچی کوشش کو جہاد کہا جائے گا۔

آدمی کا نفس اس کو برائی کی طرف لے جانا چاہتا ہے۔ اس وقت اپنے نفس سے لڑ کر برائی سے رکنے کا نام جہاد ہے۔ دوست، ساتھی، سماجی دباؤ کوئی ایسا کام کرانا چاہتے ہیں جو حقیقت کے اعتبار سے صحیح نہیں، اس وقت لوگوں کے دباؤ کو قبول نہ کرنا اور اپنے درست رویہ پر جمے رہنا جہاد ہے۔

لوگوں کو اچھی بات بتانا اور انھیں بری باتوں سے روکنا ایک مشقت والا عمل ہے۔ مگر مشقتوں کو برداشت کرتے ہوئے اپنی دعوتی مہم کو جاری رکھنا جہاد ہے۔

پڑوسیوں یا تعلق والوں کی طرف سے کوئی کڑوی بات سننے کو ملے یا کسی قسم کا تلخ تجربہ ہو اور آدمی کے اندر اس کی وجہ سے اشتعال آ جائے، مگر وہ اپنے آپ کو جوابی عمل سے روکے اور یک طرفہ طور پر لوگوں کے ساتھ خوش گوار تعلقات برقرار رکھے تو یہ ایک جہاد ہوگا۔

جہاد کی ایک اور قسم ہے جس کا دوسرا نام قتال ہے۔ یعنی اللہ کے حکموں کی پیروی کرتے ہوئے دشمن سے لڑنا۔ یہ جہاد جارحیت کے مقابلہ میں اپنے بچاؤ کے لیے ہوتا ہے۔ جہاد کا لفظی مطلب جنگ نہیں ہے۔ مگر خدا کے حکموں کی پیروی میں اپنے بچاؤ کے لیے لڑنا بھی ایک کوشش کا معاملہ ہے، اس لیے اس کو بھی جہاد کہا جاتا ہے۔

لڑائی والا جہاد ایک وقتی اور اتفاقی معاملہ ہے۔ اگر کبھی واقعۃً بچاؤ کی ضرورت پیش آ جائے تو اس وقت اس نوعیت کا جہاد کیا جائے گا۔ اور اگر اس قسم کی شدید ضرورت پیش نہ آئے تو جنگی جہاد عملاً رکا رہے گا۔

کسی عمل کا نام جہاد رکھنے سے وہ عمل جہاد نہیں ہو جائے گا۔ جہاد صرف وہ عمل ہے جو اسلام کے مطابق جہاد ہو۔ اور اسلامی جہاد اصلاً پر امن جدوجہد کا نام ہے۔ یہ پر امن جدوجہد کبھی داخلی اعتبار سے مطلوب ہوتی ہے اور کبھی خارجی اعتبار سے، کبھی وہ احساسات کی سطح پر جاری ہوتی ہے اور کبھی ظاہری اعضاء کی سطح پر۔

خدا کو پکارنا

دعا کا مطلب ہے پکارنا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ بندہ اپنی حاجات کے لیے یا اپنی بندگی کے اظہار کے لیے خدا کو پکارے۔ یہ پکار بذات خود ایک عبادت ہے۔

خدا ایک زندہ اور مستقل وجود ہے۔ وہ دیکھتا ہے اور سنتا ہے اور یہ طاقت رکھتا ہے کہ جو چاہے کرے اور جس نہج پر چاہے واقعات کا کورس مقرر کرے۔

خدا کے بارے میں یہی یقین آدمی کے اندر دعا کا جذبہ ابھارتا ہے۔ جب آدمی کو خدا کی معرفت حاصل ہوتی ہے تو فطری طور پر اس کے اندر یہ جذبہ بھی ابھر آتا ہے کہ وہ اپنی حاجات کے لیے خدا کو پکارے وہ اس سے دنیا اور آخرت کی سعادتیں مانگے۔ وہ اس کو اپنا کارساز بنا لے۔

دعا کا نہ کوئی وقت مقرر ہے اور نہ کوئی طریقہ اور نہ اس کی کوئی علاحدہ زبان ہے۔ آدمی ہر لمحہ، ہر صورت سے اور ہر زبان میں خدا سے دعا کر سکتا ہے۔ اگر دعا سچے دل سے نکلی ہے تو ضرور وہ خدا تک پہنچے گی۔ خدا اس کو فوراً سنے گا اور اس کے مطابق اس کی قبولیت کا فیصلہ فرمائے گا۔

کچھ دعائیں وہ ہیں جو مختلف عبادتوں کے ساتھ دہرائی جاتی ہیں۔ مگر زیادہ دعائیں وہ ہیں جو کسی دوسرے عمل سے جڑی ہوئی نہیں ہیں۔ مثلاً آدمی رات کو سونے کے لیے بستر پر جاتا ہے تو اس کی زبان پر رات کی مناسبت سے کچھ دعائیں آجاتی ہیں۔ اسی طرح جب وہ صبح کو سو کر اٹھتا ہے تو وہ نئے دن کے بہتر آغاز کے لیے دعا کرنے لگتا ہے۔ اسی طرح جب وہ کسی سے ملتا ہے یا کھاتا پیتا ہے یا سواری پر بیٹھتا ہے یا سفر پہ ہوتا ہے، یا اپنے معاشی مشاغل میں مصروف ہوتا ہے۔ یا اور کسی حالت میں ہوتا ہے تو اس کی مناسبت سے اس کی زبان سے ایسی دعائیں نکلتی ہیں جن کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ خدایا تو اس معاملہ میں میرے ساتھ بہتری کا فیصلہ فرمادے۔

دعا کا مطلب خدا سے مانگنا ہے۔ اور خدا سے مانگنا کبھی ختم نہیں ہوتا۔ وہ ہر حال میں مسلسل جاری رہتا ہے۔ دعا اپنے رب کے ساتھ کبھی نہ ختم ہونے والے قلبی تعلق کا اظہار ہے۔ مومن کی زندگی کا کوئی لمحہ دعا سے خالی نہیں ہو سکتا۔

دعائیں

اسلام میں جو باتیں سکھائی گئی ہیں ان میں سے ایک دعا ہے۔ حدیث کی کتابوں میں کثرت سے دعائیں نقل کی گئی ہیں۔ یہ دعائیں بتاتی ہیں کہ مختلف مواقع پر ایک مومن کی زبان سے کس طرح کے دعائیہ کلمات اور احساسات ظاہر ہونے چاہئیں۔

مثلاً ایک آدمی کی ملاقات دوسرے آدمی سے ہو تو چاہیے کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہیں۔ یعنی یہ کہ تمہارے اوپر اللہ کی سلامتی اور اللہ کی رحمت ہو۔ اسی طرح مومن کو چاہیے کہ جب وہ کھانا کھائے تو وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر اپنا کھانا کھائے اور جب وہ کھانے کو ختم کرے تو الحمد للہ اور اسی طرح کے دوسرے کلمات اپنی زبان سے ادا کرے۔ گویا کہ ایک مومن اپنے کھانے پینے کا آغاز اللہ کا نام لے کر کرتا ہے اور جب وہ اپنا کھانا پینا ختم کرتا ہے تو دوبارہ وہ اللہ کا شکر ادا کر کے اس کی نعمتوں کا اعتراف کرتا ہے۔

ایک مومن کے دل میں جب کوئی برا خیال آتا ہے تو وہ اس کے مقابلہ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہے اور یہ کلمہ اپنی زبان سے ادا کرتا ہے: اللّٰہم انی اعوذ بک من الشیطان الرجیم۔ وہ جب کسی مسئلہ سے دوچار ہوتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ: اللّٰہم علیک توکلنا یعنی اے اللہ ہم نے تیرے اوپر بھروسہ کیا۔ اسی طرح جب اس کو مال کا کوئی حصہ ملتا ہے تو وہ کہتا ہے: اللّٰہم بارک لنا فی اموالنا یعنی اے اللہ ہمارے مالوں میں ہمیں برکت عطا فرما۔ ایک مومن جب سفر کرتا ہے تو اس کی زبان پر یہ کلمات ہوتے ہیں: اللّٰہم انت الصاحب فی السفر وانت الخلیفۃُ فی الاھل یعنی اے اللہ تو اس سفر میں میرا ساتھی ہے اور تو ہی میرے بعد میرے گھر والوں کا نگہبان ہے۔

جب اس کو کوئی حادثہ پیش آتا ہے تو وہ کہتا ہے: انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یعنی ہم اللہ کے لیے ہیں اور ہمیں لوٹ کر اللہ ہی کی طرف جانا ہے۔ اسی طرح زندگی کے ہر موڑ اور ہر مرحلہ کے لیے اسلام میں دعائیں بتائی گئی ہیں۔ یہ دعائیں ہر موقع پر مومن کے ایمان کو تازہ کرتی ہیں۔ وہ موجودہ دنیا میں اس کے ہر تجربہ کو ربانی تجربہ بناتی رہتی ہیں۔ مومن اسی طرح ذکر اور دعا کے سایہ میں زندگی گزارتا ہے یہاں تک کہ وہ مر کر اپنے رب سے جا ملتا ہے۔

اسلام کے معنیٰ اطاعت کے ہیں۔ مذہبِ اسلام کا نام اسلام اِس لیے رکھا گیا کہ اُس کی بنیاد خدا کی اطاعت پر ہے۔ اسلام والا وہ ہے جو اپنی سوچ کو خدا کے تابع کرلے، جو اپنے معاملات کو خدا کی تابع داری میں چلانے لگے۔ اسلام پوری کائنات کا دین ہے، کیوں کہ ساری کائنات اور اس کے تمام اَجزا، خدا کے مقرر کیے ہوئے قانون کی ماتحتی میں چل رہے ہیں۔ یہی کائناتی رویہ انسان سے بھی مطلوب ہے۔ انسان کو بھی اُسی طرح خدا کا فرماں بردار بن کر اپنی زندگی بسر کرنا ہے، جس طرح بقیہ کائنات مکمل طور پر خدا کی فرماں بردار بنی ہوئی ہے۔

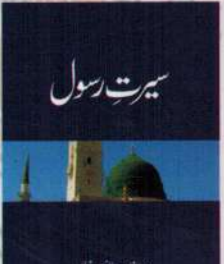

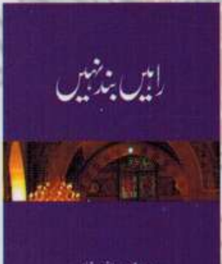

ISLAMIC STUDIES
GOODWORD
www.goodwordbooks.com
ISBN 978-81-7898-731-6
9 788178 987316